تاریخِ خانہ کعبہ

محمد طاہر الکردی





۲
ت

تاریخِ خانہ کعبہ



تصنیف: محمد طاہر الکردی

ترجمہ: عبدالصمد صارم

نگارشات پبلشرز

حبیب ایجوکیشنل سنٹر 38-مین اردو بازار لاہور | 24- مزنگ روڈ لاہور

فون 7240593 فیکس 042-7354205 | فون 7322892 فیکس 042-7354205

e-mail:nigarshat@yahoo.com

www.nigarshatpublishers.com

ISBN-969-479-060-3

نام کتاب: تاریخ خانہ کعبہ

تصنیف: محمد طاہر الکردی

ترجمہ: عبدالصمد صارم

ناشر: آصف جاوید

برائے: نگارشات پبلشرز

24-مزنگ روڈ' لاہور

PH:0092-42-7322892 FAX:7354205

فرسٹ فلور' حبیب ایجوکیشنل سنٹر' 38-مین اردو بازار لاہور

PH:0092-42-7240593 FAX:7354205

کمپوزنگ: حسنات کمپوزنگ سنٹر' فردوس سنیما' راج گڑھ' لاہور 0333-4900629

مطبع: المطبعۃ العربیہ' لاہور

سال اشاعت: 2007ء

قیمت: =/120 روپے

ترتیب

☆☆☆

مقدمہ

الحمد للہ ذوالجلال والاکرام

امابعد! میں نے یہ کتاب ذی القعد ۱۳۶۶ھ میں لکھنی شروع کی تھی، اگلے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں اس کی تکمیل سے فراغت پائی۔ اس پر میں نے کچھ مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے تا کہ بات واضح رہے۔ ضمناً کچھ بیان حجر اسماعیل اور غارِ کعبہ کے بارے میں بھی آ گیا ہے۔ میں نے خانۂ کعبہ اور مسجد حرام کے حدود اور ان اضافوں کا بھی ذکر کیا ہے جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہیں۔ فضائل کعبہ وغیرہ کی بحث کا بھی اضافہ کر دیا ہے تا کہ مقامِ مقدس کے زائرین کے لئے مزید توضیح کا سبب ہو۔

جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے اس موضوع پر اس نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ کیونکہ میری نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جو پوری طرح ہر معاملہ پر خانۂ کعبہ سے متعلق بحث کرتی ہو، البتہ بعض علماء نے تفسیر وحدیث و تاریخ کے سلسلہ میں کچھ باتیں لکھ دی ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصد خانۂ کعبہ کی مکمل تاریخ یا مسجد حرام کی مکمل تاریخ لکھنا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو بڑا بھاری کام ہے، ہاں کچھ باتیں

بطور مناسبت ذکر کر دی ہیں۔ شیخ حسین باسلامۃ الحضرمی المکی المتوفی ۱۳۵۶ھ نے اپنی دو تالیفات تاریخ کعبہ معظمہ اور تاریخ بنائے مسجد حرام میں مکمل تاریخ بیان کی ہے۔ میں نے بقدر ضرورت انہی دو کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور تاریخ ازرقی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ علامہ ازرقی دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس کام کی توفیق دی اور مقدس علوم سے دلچسپی عطا فرمائی۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں مجھے نیک اجر سے محروم نہیں رکھے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ مگر تین باقی رہتے ہیں۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے علم، تیسرے نیک بچہ جو اس کے لئے دعا کرتا رہے"۔

مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ دنیا و عقبیٰ میں میرے نام کو پاکیزہ رکھے گا۔ کیونکہ انسان فنا ہو ہی جاتا ہے، پیچھے تو اس کا ذکر ہی رہ جاتا ہے۔

ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے رحم و کرم سے حظ وافر عطا فرمائے، پاک رزق عطا کرے، قول و عمل میں غلطی سے محفوظ رکھے اور ایمان کامل پر ہمارا خاتمہ کرے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

محمد طاہر الکردی

ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

مؤلف کتاب محمد طاہر بن عبدالقادر بن محمود الکردی المکی عرض پرداز ہے کہ میں نے یہ تالیف مکہ معظمہ میں کی اور اس کتاب کا نام "تاریخ خانہ کعبہ" رکھا۔ اس میں بہت سے مباحث خانہ کعبہ سے متعلق ہیں۔

میں نے اس کی تالیف میں بڑی محنت کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ تصنیف و تالیف بڑا مشکل کام ہے جو انسان کو بہت جلد بوڑھا کر دیتا ہے۔ ایک مسئلہ کی تحقیق کے در پے ہوں تو دوسرا مسئلہ نکل آتا ہے اور اس طرح سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے انسان غور و فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔

وصلی اللّٰہ علٰی نبیّنا المبعوث رحمۃ اللّٰلمین وعلٰے جمیع الانبیاء والمرسلین وآلھم واصحابھم اجمعین۔

قرآن کریم میں مقامِ حضرت ابراہیمؑ

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے رجوع کرنے کی جگہ اور جائے امن ٹھہرایا۔ مقامِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ ہم نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ سے عہد کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادت گزاروں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو"۔ [1]

"جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا، اے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اُسے پھلوں سے رزق دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو کفر کرے گا میں اسے کم فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے آگ کا عذاب دوں گا اور وہ برا ٹھکانا ہے"۔ [2]

جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ گھر کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تو انہوں نے "کہا اے پروردگار! ہم سے قبول فرما تو سننے والا جاننے والا ہے"۔ [3]

۱۔ سورۃ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۲۴۔　　۲۔ سورۃ نمبر ۲۔ آیت نمبر ۱۲۶

۳۔ سورۃ نمبر ۲۔ آیت نمبر ۱۲۷

"اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا تابع فرمان بنا دے اور ہم میں سے ایک امت اٹھا، ہمیں اپنی نشانیاں دکھا اور ہماری توبہ قبول کر، تُو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔" [1]

"اے ہمارے پروردگار! ان میں ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاکیزہ کر، بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے"۔[2]

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا ہے:

"مکہ میں جو پہلا گھر مقرر کیا گیا وہ برکت ولا ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے"۔[3]

"اس میں واضح نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیمؑ ہے، جو اس میں داخل ہو گیا وہ بے خوف ہے۔ لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے بشرطیکہ راہ کی طاقت رکھتے ہوں جو کوئی کفر کرے گا جان لو کہ اللہ جہان والوں سے بے پروا ہے"۔[4]

اللہ تعالیٰ سورۂ ابراہیمؑ میں فرماتے ہیں:

"یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا، اے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میرے فرزند کو بتوں کی پوجا سے بچا۔"[5]

"اے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے، جو میری اتباع

۱۔ سورۂ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۲۸ ۲۔ سورۂ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۲۹
۳۔ سورۂ نمبر ۳ آیت نمبر ۹۶ ۴۔ سورۂ نمبر ۳ آیت نمبر ۹۷
۵۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۳۵

کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرے گا تو بے شک تُو بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔" ا

"اے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایک بنجر زمین میں تیرے گھر کے پاس اتار دیا ہے، تا کہ وہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں سے رزق دے تا کہ وہ شکر ادا کریں۔" ۲

"اے پروردگار! تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، اللہ پر کوئی بھی چیز زمین و آسمان کی پوشیدہ نہیں ہے۔" ۳

"اس اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ و اسحاقؑ بخشے، بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔" ۴

"اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والی کر دے، اے ہمارے پروردگار! دعا کو قبول فرما۔" ۵

"اے رب! جس دن حساب ہو! مجھے، میرے والدین اور سب ایمان والوں کو بخش دے۔" ۶

سورۂ حج میں فرمایا ہے:

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکا جسے ہم نے لوگوں کے لئے بنایا ہے، جہاں مقیم و مسافر سب برابر ہیں اور جو کوئی وہاں ظلم کی بناء پر الحاد کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" ۷

ا۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۳۶　۲۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۳۷
۳۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۳۸　۴۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۴۰
۵۔ سورۂ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۴۱　۶۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۵　۷۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۶

"یاد کرو۔ جب ہم نے ابراہیمؑ کو خانۂ کعبہ میں ٹھکانا دیا اور کہا کہ کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرنا۔" ۱؎

"اور لوگوں سے کہہ کہ وہ حج کے لئے آئیں، لوگ تیرے پاس پیادہ پا اور دُبلے اونٹوں پر ہر وسیع راہ سے آئیں گے۔" ۲؎

"تاکہ وہ اپنے منافع کو دیکھیں اور اللہ کو خاص خاص دنوں میں یاد کریں کہ انہیں جانوروں سے رزق دیا لہٰذا ان سے کھاؤ اور تنگ دست فقیر کو کھلاؤ۔" ۳؎

"پھر چاہئے کہ وہ اپنے میل کو صاف کریں، اپنی نذروں کو پورا کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں۔" ۴؎

"جو کوئی اللہ کی ناموس کا لحاظ رکھے گا، وہ اس کے لئے پروردگار کے ہاں بہتر ہے، تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں مگر جن کی حرمت تمہیں بتا دی گئی ہے، بتوں کی ناپاکیوں اور جھوٹی بات سے بچو۔" ۵؎

"وہ اللہ کے مخلص ہوں کسی کو اس کے ساتھ شریک کرنے والے نہ ہوں۔ جو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے وہ گویا آسمان سے گرا تو اسے پرندوں نے اچک لیا یا ہوا، اسے کسی دور مقام پر لے گئی۔" ۶؎

"جو اللہ کے ارکان کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔" ۷؎

"تمہارے لئے ان میں ایک خاص مدت کے لئے منافع ہیں، پھر ان کا پرانے گھر کی طرف جانا ہے۔" ۸؎

۱۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۷ ۲۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۷
۳۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۸ ۴۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۹
۵۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۹ ۶۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۳۰
۷۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۳۱ ۸۔ سورۂ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۳۳

سوانح حیات حضرت ابراہیمؑ

نبی کریم حضرت خلیل اللہ مقرب بارگاہ الٰہی کے متعلق ہم کیا رائے کا اظہار کر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے "یاد کرو کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کو بے شک وہ سچا نبی تھا۔" نیز فرمایا "ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو پہلے سے ہدایت عطا کی اور ہم اسے جانتے تھے"۔ نیز فرمایا "حضرت ابراہیمؑ بردبار آہیں کھینچنے والا، رجوع لانے والا ہے"۔ اور فرمایا "اس سے اچھا مذہب کس کا جو اللہ کا فرماں بردار بن گیا درآں حالیکہ وہ نیک کام کرنے والا ہے اور جس نے ملت ابراہیمی کا خلوص کے ساتھ اتباع کیا، اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا" ایک اور جگہ فرمایا، "بے شک حضرت ابراہیمؑ اللہ کے فرمانبردار مخلص تھے، مشرکین سے نہیں تھے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ نے انہیں چنا اور سیدھی راہ کی ہدایت دی ہم نے انہیں دنیا میں نیکی دی۔ اور وہ آخرت میں نیک بندوں سے ہیں۔" ایک اور مقام پر فرمایا "جب اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں سے آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دکھایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنا دوں گا، حضرت ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد کو بھی۔ فرمایا یہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا اور یاد

کرو جب ہم نے گھر کو لوگوں کے رجوع لانے کی جگہ بنایا اور جائے امن بنایا، مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ ہم نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے عہد کیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادت گزاروں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو"۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "حضرت ابراہیمؑ اس کے متبعین سے ہے جبکہ اپنے پروردگار کے سامنے قلب سلیم لے کر آیا"۔ نیز فرمایا "ہم نے کہا اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا"۔ ایک اور آیت میں ہے۔"جب ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو گھر کے پاس امن دیا کہ شرک نہ کرنا میرے ساتھ اور پاک کرنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے اور لوگوں سے کہہ کہ وہ حج کے لئے آئیں، آئیں گے تیرے پاس لوگ پیادہ پا اور ہر دبلے اونٹ پر جو وسیع راہ سے آئیں گے"۔

نیز فرماتے ہیں "اسی طرح ہم حضرت ابراہیمؑ کو دکھاتے ہیں آسمان و زمین کی بادشاہت تاکہ وہ یقین لانے والوں میں سے ہو جائے"۔ آپ ہی کے بارے میں ارشاد ہے "یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف دی، ہم بلند کرتے ہیں جس شخص کے درجات چاہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے والا ہے"۔

اس قسم کے آپ کے بہت سے فضائل ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔

"مگر ہم آپ کی ولادت، ہجرت، وفات اور دیگر امور کو بطور تبرک اور عبرت کے ذکر کرتے ہیں تاکہ اہل عقل کے لئے سامان تفکر و تدبر ہو۔"

ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں "حضرت ابراہیم علیہ السلام

تسارخ بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عاجر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کے باپ کا نام تارخ یا تارح تھا۔ ابن جریر نے لکھا ہے ''صحیح یہ ہے کہ آپ کے باپ کا نام آذر تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دو نام تھے ایک اصلی نام ہوگا اور ایک لقب۔'' ابن کثیر کہتا ہے ''ابن جریر نے جو کچھ لکھا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔''

حضرت ابراہیمؑ کی کنیت ابوالضیفان تھی، کہتے ہیں کہ آپ غوطۂ دمشق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جس کا نام برزن تھا جو جبل قاسیون پر آباد تھا، صحیح یہ ہے کہ آپ کلدانیوں کی سرزمین بابل میں پیدا ہوئے اور برزہ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ آپ وہاں تشریف لے گئے تھے اور وہاں نماز پڑھی تھی کیونکہ آپ اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی مدد کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت سارہؓ [1] سے شادی کے بعد انہیں اور اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ بن ہازن بن آذر کو لے کر بابل سے روانہ ہوئے اور کنعان کی سرزمین میں پہنچے جو کہ بیت المقدس کے قریب ہے جسے بلاوالیمن بھی کہتے ہیں، وہاں آپ نے سرزمین شام میں حران میں قیام کیا، یہاں کے باشندے بتوں اور سبعہ سیاروں کو پوجتے تھے سوائے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت سارہؓ کے اس سرزمین کے تمام باشندے کافر تھے۔

وہاں قحط پڑا تو آپ وہاں سے روانہ ہو کر مصر پہنچے۔ یہاں مصر میں ایک ظالم بادشاہ مقیم تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ ایک شخص بڑی حسین بیوی والا آیا ہے۔ اُس نے آپ کو بلا بھیجا اور حضرت سارہؓ کو مانگا آپ نے فرمایا وہ میری بہن ہے۔ اُس نے کہا

---

[1] حضرت سارہؓ راء کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے۔

کوئی بات نہیں اسے ہمارے پاس بھیج دو آپ نے حضرت سارہؓ کو اس کے پاس بھیج دیا اور اُن سے کہا میری بات کو نہ جھٹلانا یہی کہنا کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی بہن ہوں، دنیا میں ہم تم ہی مسلمان ہیں لہٰذا بھائی بہن ہیں، جب آپ وہاں گئیں تو وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اور دعا کرنے لگیں اے اللہ! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں، پاک دامن ہوں، اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کر، لہٰذا وہ مرگی والے کی طرح تڑپنے لگا تو بولا میرے لئے دعا کر میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ انہوں نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا تو وہ پھر آپ کی طرف بڑھا، پھر انہوں نے دعا کی پھر اس کی وہی حالت ہوگئی۔ پھر اس نے دعا کی التجا کی، آپ نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا پھر تیسری بار اس نے زیادہ گرفت کی تو آپ نے بددعا کی پھر وہی حالت ہوگئی۔ اس نے معافی چاہی خادم کو بلایا اور کہا "تم لوگوں نے میرے پاس شیطان کو بھیج دیا ہے، جاؤ اسے حضرت ابراہیمؑ کے سپرد کر آؤ اور حضرت ہاجرہؓ انعام میں دو۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پاس گئیں تو کہا "مجھے اللہ نے ظالم کے مکر سے بچا دیا اور حضرت ہاجرہؓ خدمت کے لئے دی"۔ حضرت ابراہیمؑ اس وقت اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ ان کی بیوی کو فاجر جبار بادشاہ سے بچائے چنانچہ اللہ نے انہیں محفوظ رکھا اور حضرت ابراہیمؑ کو کشف عطا کیا کہ آپ وہ سب حالات دیکھ رہے تھے تا کہ آپ کا دل مطمئن رہے۔ [1]

۱۔ یہ قصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، مسلم نے کتاب الفضائل میں ذکر کیا ہے اور بخاری نے کتاب بدأالخلق کتاب النکاح، کتاب الجنۃ، کتاب الاکراہ او کتاب البیوع، باب شراء المعواک میں ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر علامہ شیخ احمد البدوی الشنقیطی المتوفی ۱۲۲۰ھ نے اپنی نظم میں تفصیل سے کیا ہے۔

بعدازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ارض مقدس کی طرف چلے آئے۔ جہاں آپ کو چوپائے غلام اور بہت سا مال ملا، حضرت ہاجرہؓ آپ کے ساتھ تھیں آپ کی بیوی حضرت سارہؓ بانجھ تھیں۔ لہٰذا ان کے کوئی بچہ نہ تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا "مجھے اللہ نے اولاد سے محروم رکھا ہے آپ میری اس باندی کوعقد میں لے آئیں شاید آپ کے کوئی اولاد ہو جائے"۔حضرت ابراہیمؑ نے اسے ہی چنانچہ حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال تھی، یہ واقعہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے کا ہے، جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی جس میں حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت تھی۔ یہ سن کر آپ سجدے میں گر پڑے۔

جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیمؑ سے مطالبہ کیا کہ حضرت ہاجرہؓ کو میرے سامنے سے کہیں لے جائیے، چنانچہ آپ انہیں اور ان کے دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی طرف لے گئے، اللہ کا یہی حکم تھا جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت ابراہیمؑ تین بڑی آزمائشوں میں گرفتار ہوئے:

۱۔ اس ظالم کافر بادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کو غصب کرنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا، آپ پاک، صاف، کامران واپس آئیں، آپ کو حضرت سارہؓ سے بڑی محبت تھی کیونکہ وہ بہت دین دار، قریبی رشتہ دار اور حسین وجمیل تھیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا۔ آپ نے حکم خداوندی

کے آگے سر جھکا دیا اور آپ کے بیٹے نے بھی۔ جب وہ ذبیحہ کی طرح لیٹ گئے اور انہوں نے چھری چلائی تو نہ چلی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سپید عمدہ مینڈھا عطا کیا جو جنت سے اتارا گیا تھا اور شبیر پہاڑ[1] پر نازل کیا گیا تھا۔ آپ نے اسے منیٰ میں ذبح کر دیا۔ اس عظیم آزمائش کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن حکیم میں ہے۔

۳۔ آپ کو آگ میں جھونک دیا گیا کیونکہ بابل کے بت پرستوں سے آپ نے مناظرہ کیا تھا، آپ کا مناظرہ عقل و دانش پر مبنی تھا، آپ فتح یاب ہوئے تو وہ قائل ہو گئے اور کہنے لگے "ہم ظالم ہیں۔" مگر پھر بدل گئے اور کہنے لگے "ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان (بتوں) کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔" پھر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آپ کو آگ میں جھونک دیا جائے۔ آگ آپ پر ٹھنڈی ہو گئی اور آپ کے لئے سلامتی والی بن گئی کہ اس نے ذرا بھی زک نہ پہنچایا آپ آگ میں بڑے آرام سے رہے۔ یہ واقعہ بھی قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ آتا ہے۔

اسی طرح آپ سے بہت سی ایسی باتیں صادر ہوئیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ آپ نے نمرود کے ساتھ مناظرہ کیا، یہ واقعہ کلام پاک میں آتا ہے فرماتے ہیں:

"کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے پروردگار کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ سے دلیل بازی کی تھی اس بناء پر کہ اللہ نے اسے

۱۔ یہ پہاڑ مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے جو جانے والے کے داہنے ہاتھ پر آتا ہے۔ (المصباح المنیر)

بادشاہ بنا دیا تھا، جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا "میرا پروردگار وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے (آخر آیت تک)

۲۔ اللہ تعالیٰ سے آپ نے مطالبہ کیا کہ مجھے دکھا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا کیا تو ایمان نہیں لایا؟ عرض کی "کیوں نہیں" مگر صرف اطمینان قلبی کے لئے دیکھنا چاہتا ہوں اللہ نے فرمایا چار پرندے لے لے" (آخر آیت تک)

۳۔ سب سے پہلے آپ نے مکہ کو آباد کیا اپنی اولاد کو وہاں بسایا اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی صراحت سے ذکر کیا ہے۔

۴۔ "جب ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کے پاس ٹھکانا دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرنا، اور لوگوں کو حج کی دعوت دینا، وہ آئیں گے پیادہ پا اور دُبلی اونٹنیوں پر جو آئیں گی ہر وسیع راہ سے"۔ (آخر آیت تک)

بیت الحرام کے بنانے کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

آپ کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض مورخین نے ایک سو پچھتر سال عمر بتائی ہے بعض نے نوے اور بعض نے دو سو سال، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ نے آپ کو دفن کیا اور حضرت سارہؓ کے پاس دفن ہوئے۔ حضرت سارہؓ کی وفات "حبرون" گاؤں میں ہوئی تھی جو آج کل الخلیل کے نام سے مشہور ہے، کہتے ہیں ان کی عمر ایک سو ستائیس سال کی ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے بنو حیث کے ایک شخص سے جس کا

نام عقرون بن صحر تھا چار سو مثقال میں ایک زمین خریدی اور وہاں انہیں دفن کر دیا۔ اس زمین کا نام مغارہ تھا۔

آپ کی قبر آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کی قبر آپ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی اور آپ کے پوتے حضرت یعقوبؑ کی قبر اس مرلع میں ہے جو حضرت سلیمانؑ بن داؤد نے بنایا تھا اور جو بالاتفاق حمرون میں واقع ہے۔ رہی یہ بات کہ ان قبروں میں فلاں قبر، آپ کی ہے سو اس کے بارے میں یقینی اطلاع کوئی نہیں ہے، بہرحال اس مقام کا احترام کرنا ضروری ہے، وہاں جوتوں سے نہیں چلنا چاہئے ہو سکتا ہے اس کی یا آپ کی اولاد میں سے کسی اور نبی کی قبر وہاں ہو۔

مذکورہ بالا بیان ہم نے ابن کثیر کی کتاب سے لیا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ بھی وہاں دفن ہیں۔ بہت سے محققین علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی قبریں اس احاطہ میں ہیں جو حضرت سلیمانؑ بن داؤد نے مسجد خلیل[1] کے درمیان بنایا تھا۔ رہے حضرت اسماعیلؑ ان کی قبر حجر میں ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے میزبانی کی، سب سے پہلے بڑھاپا دیکھا، سب سے پہلے اپنی مونچھیں کتروائیں۔ سب سے پہلے ختنہ کیں، سب سے پہلے موئے زیر ناف ترشے اور سب سے پہلے پاجامہ پہنا۔

۱۔ مترجم کو اس مسجد کے دیکھنے کا اتفاق ہوا یہ الخلیل شہر میں واقع ہے بیت المقدس کے قریب ہے اور شرق الاردن کی سلطنت میں بڑا خوبصورت شہر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے ''اسلام کے تیس حصہ ہیں، اس دین کو سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''یاد کرو حضرت ابراہیمؑ کو جس نے وفا کی اور آپ کے لئے اللہ نے آگ سے بریت لکھ دی''۔

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں روایت ہے۔ (واذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات جب اللہ نے ابراہیم کو چند کلمات سے آزمایا، کہ اللہ نے آپ کو پاکیزگی کے بارے میں آزمایا) پانچ باتیں سر کے بارے میں ہیں اور پانچ جسم کے بارے میں۔ سر کے بارے میں یہ ہیں، مونچھوں کا کتروانا، غرارہ کرنا، ناک کو پانی سے صاف کرنا، مسواک کرنا اور مانگ نکالنا۔ جسم کے بارے میں یہ ہیں: ناخنوں کا کتروانا، موئے زیر ناف کا مونڈنا، ختنہ کرانا، بغلوں کے بال صاف کرنا، پاخانہ اور پیشاب کے مقام کو پانی سے دھونا۔ (تاریخ طبری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اکثر پیغمبروں کے دادا ہیں۔ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے ''جو نبی بھی آپ کے بعد بھیجا گیا وہ آپ کی اولاد سے تھا اور جو کتاب بھی کسی نبی پر آسمان سے اتری تو آپ کی کسی نہ کسی اولاد پر اُتری، یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلعت وکرامت ہے''۔

بعض علماء کہتے ہیں ''جو انبیاء حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے نہیں ہیں۔ وہ صرف آٹھ ہیں۔ شیخ حبیب اللہ الشنقیطی نے جو قصیدہ آپ کی تعریف میں لکھا ہے اس میں ان لوگوں کے نام دیئے ہیں وہ یہ ہیں:

حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت صالحؑ

عمود النسب کے مصنف نے بھی ان ہی ناموں کا ذکر کیا ہے بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یونسؑ آپ کی اولاد سے تھے۔ واللہ اعلم

پروفیسر محمد حسنی عبدالحمید اپنی کتاب ابراہیم الخلیل ابو الانبیاء میں لکھتے ہیں

(دیکھو بیان صحف ابراہیم ص ۱۵۲،۱۵۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کہاوتوں پر مشتمل تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ باوجود انتہائی کوشش کے ہم ان صحائف پر مطلع نہ ہو سکے، ہم نے بہت سی کتابیں ڈھونڈیں اور ان سے کہاوتوں کو جمع کرنا چاہا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ ہم چاہتے تھے کہ ہم اور ہمارے قارئین ان سے محظوظ ہوں مگر کیا کیا جائے تقدیر الٰہی میں یہی تھا کہ یہ صحیفے پوشیدہ رہیں اور دسترس سے باہر ہو جائیں۔

ثعلبی نے ابو ادریس خولانی سے روایت کی ہے وہ حضرت ابوذر الغفاری سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں اتاریں؟'' فرمایا، ایک سو چار، حضرت آدمؑ پر دس صحیفے، حضرت ابراہیمؑ پر دس حضرت شیثؑ پر پچاس، حضرت ادریسؑ پر تیس۔ اور اتاریں اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن۔ ابوذر کہتے ہیں کہ ''میں نے دریافت کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے کیسے تھے؟'' فرمایا، ''کہاوتیں تھیں''۔

راویوں نے ان کہاوتوں میں سے صرف دو ذکر کی ہیں۔ دو سے زیادہ نہیں ملتیں، میرے خیال میں دنیا کے کسی بھی مصنف نے ان تمام کہاوتوں کو کہیں ذکر نہیں کیا۔ وہ دو کہاوتیں یہ ہیں:

۱۔ اے مغرور بادشاہ! میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو بعض کو بعض کے ساتھ جمع کرے، میں نے تو تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ تو مظلوم کی پکار کو سنے کیونکہ میں مظلوم کی پکار کو لوٹاتا نہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ ایک عاقل پر، اگر اس کی عقل بالکل صحیح ہے لازم ہے۔ کہ وہ ایک گھڑی اپنے پروردگار سے مناجات کرے اور اس کی صنعت میں غور وفکر کرے، ایک گھڑی اپنے نفس سے اگلے اور پچھلے کاموں میں محاسبہ کرے اور ایک گھڑی اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں صرف کرے مگر حلال سے نہ کہ حرام سے، اپنے کھانے پینے وغیرہ میں حرام سے بچے۔ عاقل کو چاہئے کہ وہ اپنے زمانے پر نظر رکھے، اپنی حالت کی طرف متوجہ رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے، جسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کی گفتگو اس کے عمل میں داخل ہے تو وہ بیہودہ باتوں میں نہیں پڑے گا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، فرمایا "میں مسجد میں داخل ہوا، تو رسولؐ اللہ نے فرمایا "اے ابوذر! مسجد کے لئے بھی سلام ہے" تو میں نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ اس کا سلام کیا ہے"؟ فرمایا "دو رکعتیں"۔ میں نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! کیا آپ پر بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز اتاری ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں سے ہو"؟ آپؐ نے فرمایا "ابوذر! پڑھ:

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی بل توثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقیٰ ط ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (پارہ ۳۰)	فلاح پا گیا جس نے پاکی اختیار کی، اپنے پروردگار کو یاد کیا، اور نماز پڑھی بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ بے شک یہ بات پچھلے صحیفوں میں ہے یعنی ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔

میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ کے صحیفے کیسے تھے؟" فرمایا "سب عبرتوں پر مشتمل تھے مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس نے موت کا یقین کر لیا ہے کہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو جہنم پر ایمان رکھتا ہے کہ کیسے ہنستا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات کو دیکھتا ہے کہ کیسے مطمئن بیٹھا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے کہ کیسے کھڑا ہو جاتا ہے (کام کے لئے) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو حساب کتاب پر یقین رکھتا ہے اور پھر عمل نہیں کرتا"۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم کے صحیفے ایک تاریخی دولت ہیں جس پر مورخین اطلاع نہیں پا سکے اور اگر وہ کہیں ان سب سے واقف ہو جاتے تو قدیم اسلامی تاریخوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں جو دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں وہ نہ ہوتیں۔

پروفیسر محمد حسنی عبدالحمید لکھتے ہیں:ا

"الخلیل کا نام پہلے زمانے میں حمرون تھا، تقریباً اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ الخلیل کے حرم کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔

حرم کا نام مغارہ تھا، یہیں حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت سارہؓ سوتے ہیں۔ کعب الاحبار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "سب سے پہلے جو حمرون میں جس نے وفات پائی اور دفن ہوا وہ حضرت سارہؓ تھیں صورت یہ ہوئی کہ جب حضرت سارہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ قبر کے لئے زمین کی تلاش میں نکلے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی قبر حمریٰ کے پاس ہو۔ لہٰذا آپ عفرون کے پاس گئے۔ یہ شخص زمین کا مالک تھا اور حمری' میں رہتا تھا، اس سے حضرت ابراہیمؑ نے کہا "مجھے کچھ زمین بیچ دے کہ میں وہاں اپنے خاندان والوں کو دفن کر سکوں۔" عفرون بولا "آپ جہاں چاہیں دفن کر دیجئے میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔" ابراہیمؑ بولے "مگر میں مفت نہیں لوں گا۔" وہ بولا "اے نیک بوڑھے! جہاں چاہے دفن کر لے۔" مگر آپ نہ مانے اور مغارہ کا اس سے مطالبہ کیا۔ اس نے کہا "اچھا میں وہ زمین چار ہزار درہم میں بیچتا ہوں، ہر درہم پانچ درہم کی برابر ہو اور ہر ایک پر کسی بادشاہ کی مہر ہو"۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اتنا روپیہ لا نہ سکیں گے۔ آپ چلے آئے جبریلؑ آئے اور کہا یہ روپیہ دے دو۔ آپ نے مالک کو دے دیا۔ وہ حیران ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ کو وہاں دفن کر دیا تو سب سے پہلے آپ ہی وہاں دفن ہوئیں۔ کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر ۱۱۷ سال ہوئی اور بعض نے ۱۲۷ سال لکھے ہیں۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ وفات پا گئے تو آپ کے سامنے مغربی جانب دفن کر دیئے گئے، پھر جب حضرت رفقہؓ زوجۂ حضرت اسحاقؑ کی

ا۔ دیکھو بیان الحرم الخلیلی و مدینۃ الخلیل ص ۱۶۵، ۱۷۱

وفات ہوئی تو وہ بھی حضرت سارہؓ کے سامنے محراب کی سمت دفن ہوئیں۔ پھر حضرت اسحاقؑ کا انتقال ہوا تو وہ اپنی بیوی کی قبر کے سامنے جانب غرب دفن ہوئے۔ پھر حضرت یعقوبؑ نے وفات پائی اور مغارہ کے دروازے کے پاس دفن ہوئے۔ یہ قبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کے سامنے جانب شمال ہے، پھر حضرت لائقہؓ زوجۂ حضرت یعقوبؑ کی وفات ہوئی تو وہ ان کے سامنے جانب شرق مدفون ہوئیں۔ پھر حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے مشورہ کیا کہ ہم کیوں نہ مغارہ کا دروازہ کھلا رکھیں اور جو بھی ہم میں سے مرے یہیں دفن ہو لہٰذا انہوں نے مغارہ کے اردگرد ایک چار دیواری بنا دی، قبروں پر نشانات بنا دیئے اور ہر قبر پر صاحب قبر کا نام لکھ دیا، پھر یہ لوگ مغارہ سے چلے آئے اور دروازہ بند کر آئے۔ حتیٰ کہ رومیوں کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے وہاں کنیسہ تعمیر کرایا مگر مسلمانوں نے اسے باقی نہ چھوڑا۔

محمد بن ابی بکران بن محمد، خطیب مسجد الخلیل نے مجھ سے بیان کیا!

''میں قاضی ابوعمرو عثمان بن جعفر بن شاذان کے ساتھ خلیل اللہ کی قبر کی طرف گیا۔ ہم وہاں تین دن تک رہے۔ چوتھے دن وہ اس نقش کی طرف متوجہ ہوئے جو حضرت رفقہ زوجہ حضرت اسحاقؑ کی قبر کے سامنے ہے، انہوں نے حکم دیا کہ اسے خوب دھویا جائے حتیٰ کہ کتابت واضح دکھائی دینے لگی تو مجھ سے کہا ''جو کچھ اس پر لکھا ہے نقل کر لو''۔ میں نے نقل کر لیا، ہم رملہ گئے اور مختلف زبان دانوں کو بلایا مگر کوئی بھی اسے نہ پڑھ سکا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ یہ قدیم یونانی زبان ہے۔ معلوم ہوا کہ حلب میں ایک بوڑھا ہے وہی اسے پڑھ سکتا ہے، چنانچہ اسے بلایا گیا اس بوڑھے نے یہ عبارت بتائی:

''میرے پروردگار کے نام سے جو عرش کا خدا ہے، قہر والا،

ہدایت دینے والا، سخت گرفت کرنے والا اور جاننے والا ہے
اس کی حمد نہیں کی جا سکتی، یہ قبر حضرت ابراہیمؑ خلیل کی ہے اور
وہ ستون جو مشرق کی جانب میں سامنے ہے وہ آپ کی بیوی
حضرت سارہؓ کی قبر ہے، دوسرا ستون جو حضرت ابراہیمؑ کی قبر
کے سامنے ہے حضرت یعقوبؑ کی قبر ہے اور مشرقی جانب والا
ستون ان کی بیوی حضرت اِلیا کا ہے"۔

مجھے شیخ یوسف طہبوب (رکن مجلس اسلامی فلسطین) کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ہم دونوں حضرت خلیل اور ان کی برکات کے بارے میں ذکر کر رہے تھے۔ مجھ سے شیخ نے ایک عجیب قصہ بیان کیا۔ جس میں حضرت ابراہیمؑ کو ایک سفید ریش بوڑھے کی صورت میں دیکھا تھا کہ آپ ایک بلند مقام پر سو رہے ہیں اور مغارہ کی نسیم آپ کے جسم مبارک سے مس کرکے آپ کی داڑھی کے بالوں کو چھو رہی ہے۔ یہ واقعہ میرے دل میں پیوست ہو گیا اور یہ صورت میرے حافظہ میں بالکل محفوظ ہو گئی حتیٰ کہ میں نے ایک دن یہی صورت قاضی القضاۃ ابو الیمن محی الدین الحنبلی کی کتاب الانس الجلیل میں دیکھی جیسا کہ اور راویوں نے بھی اپنی دوسری کتابوں میں اسی طرح روایت کی ہے مصنف کہتا ہے کہ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں "میں نے اصحاب حدیث کی کتابوں میں پڑھا ہے اور ان سے نقل کیا ہے کہ محمد بن بکران بن محمد خطیب مسجد حضرت ابراہیمؑ نے کہا، یہ راضی باللہ کے زمانے میں (۳۲۳ھ میں) رملہ کے قاضی تھے اور اس کے بعد بھی وہ وہاں کے قاضی رہے، انہوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے اور بہت سے علماء نے ان سے روایت کی ہے انہوں نے

بیان کیا۔

''میں نے محمد بن احمد بن جعفر الانباری سے سنا کہ وہ کہتے تھے، میں نے ابوبکر الاسکافی سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ مجھے صحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قبر اسی مقام پر ہے جہاں وہ اب ہے اور یہ بات میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ صورت یہ ہوئی کہ میں نے آپ کے مزار کے خدام اور مزار کے لئے کوئی چار ہزار دینار کا وقف بوجہ اللہ کیا تھا مگر میں یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ جان لوں کہ یہ بات صحیح بھی ہے کہ آپ کا مزار اسی مقام پر ہے، مجاورین میرا بڑا احترام کرتے تھے اور انہیں مجھ سے خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ میں نے ایک دن ان سے درخواست کی کہ مجھے قبروں کے اندر تک پہنچا دو تا کہ میں اپنی آنکھوں سے انبیاء علیہم السلام کو دیکھ لوں۔ انہوں نے کہا چونکہ آپ کا ہم پر حق ہے، مگر آج کل تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ زائرین آتے رہتے ہیں، جاڑوں کی راتوں میں جب برف گرنے لگے گی، تب یہ بات ممکن ہو سکے گی۔ میں ان کے پاس ٹھہرا حتیٰ کہ برف گرنے لگی، اور رات کے وقت آنے والوں کا سلسلہ بند ہو گیا، وہ مجھے اس پتھر کے پاس لائے جو قبر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے درمیان ہے ایک شخص جس کا نام صعلوک تھا۔ مجھے لے کر اترا کوئی ۷۲ سیڑھیاں اترے تو میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف دیکھا کہ سیاہ پتھر کا ایک تخت ہے۔ اس پر ایک بوڑھا ہلکے رخساروں والا لمبی داڑھی والا چت لیٹا ہوا ہے اور اس پر سبز کپڑا پڑا ہوا ہے۔ صعلوک نے کہا یہ حضرت اسحاقؑ ہیں، تھوڑی دور چلے تو ایک اور تخت پہلے سے بڑا نظر آیا اس پر بھی ایک بوڑھے لیٹے ہیں، بال کاندھوں کے درمیان پڑے ہیں۔ داڑھی اور سر سپید ہے ابرو اور پلکیں بھی،

سبز جامہ پہنے ہیں اور ہوائیں آپ کی داڑھی کو چھو رہی ہیں۔ صعلوک نے کہا ”یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں“۔ میں سجدۂ شکر بجا لایا اور کھڑا ہو گیا۔ پھر ہم ایک اور تخت کی طرف گئے تو دیکھا بڑا خوبصورت تخت ہے اس پر ایک شخص گندم گوں رنگ والا اور گھنی داڑھی والا دراز ہے۔ دونوں منڈھوں کے درمیان سبز رنگ کا کپڑا لپیٹے ہیں، صعلوک نے کہا یہ حضرت یعقوبؑ ہیں پھر ہم اپنی بائیں جانب مڑے اور ہم نے حرم کی طرف دیکھا ابھی ابوبکر اسکاف یہ حدیث پوری بھی نہ کرنے پائے تھے کہ میں فوراً حرم کی طرف گیا، جب میں مسجد میں پہنچا تو میں نے صعلوک کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے کہا ابھی آتا ہے تھوڑی دیر میں وہ آ گیا، میں گیا اور اس کے پاس بیٹھا اور حدیث مذکور کے بارے میں کچھ کہنے لگا تو وہ ناراض ہوا، میں نے معافی چاہی پھر کہا ابوبکر اسکاف میرے چچا ہیں تو وہ مجھ سے مانوس ہو گیا۔ میں نے اسے اللہ کی قسم دلا کر کہا ”مجھے بتاؤ کہ جب تم حرم میں گئے تھے تو کیا ہوا تھا اور تم نے کیا کیا دیکھا تھا؟“ اس نے کہا ”کیا تجھ سے ابوبکر اسکاف نے بیان نہیں کیا؟“ میں نے کہا ”بیان تو کیا ہے، مگر آپ کی زبانی بھی سننا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا ”ہم نے حرم کی طرف سے ایک چیخنے والے کی آواز سنی کہ کہتا تھا ”حرم سے دور رہو اللہ تم پر رحم کرے، تو ہم لوگ بے ہوش ہو گئے جب افاقہ پایا تو ہم زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔“ شیخ نے مجھ سے بیان کیا کہ ”ابوبکر اسکاف اس کے چند دنوں کے بعد مر گئے اور صعلوک بھی مر گیا۔“

الخلیل کے تمام باشندے اس روایت س آشنا ہیں۔ یہ قصہ مجھ سے شیخ مرحوم عبداللہ طہبوب مفتی الخلیل نے بیان کیا، جبکہ وہ میرے ساتھ غار کے مشاہدہ کے لئے

گئے تھے، انہوں نے کہا کہ "اس حادثہ کے بعد اوقاف الخلیل کے متولیوں نے ارادہ کرلیا کہ غار کے دہانہ تک بہت بڑی لمبی سرنگ بنا دیں گے تاکہ کوئی شخص وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

میں ان روائتوں کی تصدیق پر مجبور ہوں کیونکہ مجھ سے معتبر اشخاص نے اس قسم کی روائتیں کی ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو بہت سی کرامات سے نوازا ہو اور ابوالانبیاء کا جسم اب تک سالم ہو۔ کیونکہ جیسا کہ مشہور ہے کہ انبیاء کا جسم پرانا نہیں ہوتا۔

حسن بن عبد الواحد بن عبد الرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ابو زرعہ قاضی فلسطین مسجد الخلیل میں آئے۔ میں ان کے پاس سلام کرنے کے لئے آیا، وہ حضرت سارہؓ کی قبر کے پاس نماز کے وقت بیٹھے تھے تو ایک بوڑھا آیا انہیں بلایا اور پوچھا "ان میں سے حضرت ابراہیمؑ کی قبر کون سی ہے؟" اس بوڑھے نے حضرت ابراہیمؑ کی قبر کی طرف اشارہ کیا، بوڑھے کے چلے جانے کے بعد ایک نوجوان آیا انہوں نے اس سے بھی یہی سوال کیا اور اس نوجوان نے بھی اسی قبر کی طرف اشارہ کیا، نوجوان کے چلے جانے کے بعد ایک بچہ آیا انہوں نے اس بچے سے بھی وہی سوال کیا اور وہی جواب ملا تو ابوزرعہ نے کہا میں بلاشبہ گواہی دیتا ہوں کہ یہ قبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے کیونکہ خلف سلف اسی طرح روایت کرتے چلے آئے ہیں، حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں خلف کا سلف سے نقل کرنا حدیث کی صحت کی ضمانت ہے کیونکہ حدیث میں تو بسا اوقات غلطی واقع ہو جاتی ہے لیکن نقل میں غلطی واقع نہیں ہوتی۔ اس میں تو بدعتی طعن کرسکتا ہے یا وہ شخص جو خلاف پر کمربستہ ہو، پھر ابو زرعہ اٹھے

اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اگلے دن وہاں سے کوچ کر گئے۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر معمار القدسی نے کتاب البدائع میں لکھا ہے

''حبرئ، حضرت ابراہیمؑ الخلیل کے گاؤں کا نام ہے اس میں ایک بڑا قلعہ ہے کہتے ہیں جنوں نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے پتھر منقوش ہیں۔ بیچ میں جو پتھر لگے ہیں یہ اسلامی دور کی یادگار ہیں، آگے حضرت اسحاقؑ کی قبر ہے۔ اور حضرت یعقوبؑ کی قبر پیچھے ہے، ہر نبی کے سامنے اس کی بیوی کی قبر ہے پھر اس قلعہ کو مسجد بنا دیا گیا اور اس کے اردگرد مجاوروں کے مکانات بنا دیئے گئے اب مکان کے چاروں طرف گھر ہی گھر ہیں۔ یہاں پانی کی ایک باریک سوت ہے اور اس گاؤں سے نصف منزل تک انگور اور سیب وغیرہ کے درخت ہیں جو اکثر مصر بھیجے جاتے ہیں، اس گاؤں میں ہمیشہ مہمانی رہتی ہے۔ کھانا، روٹی اور خدام ہر چیز ملتی ہے۔ یہ لوگ آنے والوں کو مسور اور زیتون کا تیل دیتے ہیں بہت سے فقیر کھاتے ہیں اور اگر کوئی امیر چاہے تو وہ بھی لے سکتا ہے''۔

میں نے عبداللہ کی کتاب میں اپنی آنکھوں سے وہ تصویر دیکھی ہے، جو اس نے درج کی ہے اور وہ پتھر بھی دیکھے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ وہاں پھل خوب ہوتے ہیں، کہتے ہیں حضرت سلیمانؑ کے حکم سے یہ قلعہ تعمیر ہوا تھا۔

یہاں کے انگور تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ الخلیل کے باشندے ان پر بجا طور پر

فخر کرتے ہیں۔ ایسے انگور کہیں نہیں ہوتے حالانکہ یہاں کوئی نہر یا دریا نہیں ہے بلکہ فطرت ہی ان پہاڑوں پر ان کی تربیت کرتی ہیں۔

سیکرٹری اوقاف الخلیل نے مجھ سے ذکر کیا کہ محکمہ اوقاف ہر ہفتہ اور بدھ کے دن لنگر کرتا ہے تاکہ الخلیل کے فقراء خوب کھائیں پیئں۔ اس دن جو کھانا پکایا جاتا ہے۔ وہ بہت ہی صاف ستھرا اور عمدہ ہوتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ بدھ کے دن زیارت کے لئے آئیں تاکہ دیکھیں اور لنگر کو چکھیں کہ کتنا لذیذ ہوتا ہے کہ امیر لوگ بھی اس کے کھانے کی تمنا کرتے ہیں۔ اگرچہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو مگر مجھے منگل کے دن بیروت ضرور ہی پہنچنا تھا، اس لئے شرکت نہ کر سکا ورنہ ضرور شرکت کرتا۔

الملک الموید اسماعیل والی حماۃ نے اپنی تاریخ میں ۵۱۳ھ کے واقعات کے بارے میں لکھا ہے کہ "اس سال حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبریں بیت المقدس کے قریب ظاہر ہوئی ہیں، بہت سے لوگوں نے انہیں دیکھا ہے کہ ان کے جسم ابھی تک پرانے نہیں ہوئے اور ان کے پاس غار کے اندر سونے چاندی کے قندیل دھرے ہیں"۔

اسی کتاب میں سور سلیمانی کے بیان میں صفحہ ۱۷۳ پر مرقوم ہے:

"جب حضرت سلیمان علیہ اسلام بیت المقدس کی تکمیل کر چکے اور مسجد اقصیٰ میں ہیکل تعمیر کر چکے تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ آپ وہاں جائیں جہاں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ سوتے ہیں۔ آپ کی قبر کے اردگرد ایک چار دیواری بنا دیں، حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر کے ساتھ کنعان کی سرزمین کی طرف گئے، آپ نے بہت

تلاش کی مگر قبر نہ ملی۔ لہٰذا واپس بیت المقدس چلے آئے۔ وحی نازل ہوئی کہ جہاں نور کا ستون آسمان سے اترتا نظر آئے اس کی سیدھ میں آپ کی قبر ہے، آپ پھر اسی طرف گئے، وہاں رامہ پہنچ کر الخلیل کے قریب شمالی جانب آپ کو ایسا محسوس ہوا کہ نور اتر رہا ہے لہٰذا آپ نے لشکر کو حکم دیا کہ وہاں ایک چار دیواری بنا دیں یہ مقام حضرت یونسؑ کی قبر کے پاس تھا۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ یہ وہ مقام نہیں ہے کہ آپ نور آسمان کی بالکل سیدھ پر اس چار دیواری کو بنائیں۔ حضرت سلیمانؑ جستجو کرتے رہے حتیٰ کہ حبرون کے ایک ٹیلے پر آپ نے اس نور کو دیکھا اور اس کے اردگرد جن وانس سے ایک بڑی بھاری فصیل بنوا دی، ان پتھروں کی ضخامت دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیسے اٹھائے اور لگائے گئے۔ اس چار دیواری کے اندر کی عمارت مسجد شمار کی گئی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> ''آدم کا سر صخرہ کے پاس اور پاؤں مسجد ابراہیمؑ کے پاس ہیں اور مسجد خلیل کا حکم وہی ہے جو عام اسلامی مساجد کا ہے کہ وہاں جماعت کر سکتے ہیں۔ اعتکاف کر سکتے ہیں اور حائضہ و ناپاک اس میں داخل ہیں ہو سکتے''۔ (آخر تک)

یہ گھر بڑا آباد اور بہت برکت والا ہے کہ وہاں سادات انبیا سوتے ہیں، قاضی القضاۃ ابوالیمن قاضی حنبلی نے کہا ہے ''یہ مقام کریم جو کہ سلیمانی فصیل کے اندر ہے۔ اس کی لمبائی محراب سے لے کر صدر مشہد یعقوب تک اسی گز ہے اور عرض جانب شرق فصیل سے لے کر قبر حضرت یوسفؑ تک ساڑھے تین گز ہے۔ چار

دیواری کی بلندی ہر سمت سے ساڑھے تین گز ہے جس میں پندرہ پتھر لگے ہیں۔

زمین سے اس فصیل کی بلندی چھبیس گز ہے۔ سلیمانی تعمیر کے اوپر جو رومی تعمیر ہے۔ اس کے علاوہ طبل خانہ کے پاس ایک پتھر ہے۔ جس کی لمبائی گیارہ گز ہے اورر سلیمانی تعمیر کی ہر صف کا عرض سوا گز ہے۔ اس چار دیواری میں دو غار ہیں ۔ان میں سے ایک جانب مشرق ہے جو جانب قبلہ سے متصل ہے اور دوسرا غار جانب غرب ہے جو جانب شمالی سے ملتی ہے اور تعمیر نہایت عمدہ ہے۔

جانب شمالی سے مسجد کی تعمیر چہار دیواری سے بالکل ملی ہوئی ہے، یہ تعمیر رومیوں کے دور کی ہے اس کے تین طبقے ہیں۔ درمیانی طبقہ جانب مشرق و غرب سے دونوں طبقوں سے بلند ہے۔

چھت چار مضبوط دیواروں پر قائم ہے۔ اس کی تعمیر کے بالائی حصہ میں محراب اور منبر ہے۔ منبر اچھی عمدہ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور جمال وفن کا نمونہ ہے۔

یہ منبر، بدر جمالی مدیر دولت فاطمیہ کے حکم سے مستنصر باللہ ابوتمیم معد فاطمی خلیفۂ مصر کے دور میں رکھا گیا۔ ۴۸۴ھ میں یہ منبر بنا، خط کوفی میں اس کی تاریخ لکھی ہے، سلطان صلاح الدین کے حکم سے یہ منبر مسجد میں رکھا گیا، منبر کے سامنے مؤذن کا مقام ہے جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہے اور آرٹ کا بہترین نمونہ ہے۔

دیواروں پر چاروں طرف سے گول مرمر لگے ہوئے ہیں جو کہ ملک الناصر محمد بن قلادوں ۷۳۲ھ کے عہد میں لگائے گئے۔

حسب ذیل ترتیب کے مطابق مسجد کے نیچے انبیاء کی قبریں ہیں:

اس ستون کے پاس جو کہ منبر کے سامنے واقع ہے۔ حضرت اسحاقؑ کی قبر ہے اور اس کے سامنے اس کی بیوی حضرت رفقہؓ کی قبر ہے جو کہ مشرقی ستون کی جانب میں ہے یہ گویا ایک مستقل عمارت ہے۔

اس تعمیر کے تین دروازے ہیں جو کہ صحن مسجد میں کھلتے ہیں، ان میں سے ایک یعنی درمیانی، حضرت خلیل اللہ کی درگاہ کی جانب کھلتا ہے۔ جس کی دیواروں پر مرلع مرمر لگا ہوا ہے جس کے غربی جانب ایک حجرہ میں آپ کی قبر مبارک ہے اس کے مشرقی حصے میں آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کی قبر ہے۔

اس صحن کے آخر میں شمالی حصہ میں حضرت یعقوبؑ کی قبر ہے اور اس کے سامنے مشرقی جانب آپ کی بیوی حضرت لائقہؓ کی قبر ہے۔

چہار دیواری کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار بھی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ غار سے باہر مدفون ہیں مگر ان کی یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

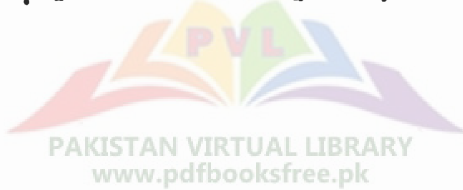
چہار دیواری کے اندر جو کچھ تعمیر ہے اس میں ہر جگہ خوبصورت سنگ سلیمانی کا فرش ہے۔ اس چہار دیواری کے جانب مشرق میں ایک خوبصورت مسجد ہے جسے ابو سعید سنجرابی ولی ناظر حرمین و نائب سلطنت نے بنایا تھا، یہ مسجد جاولیہ کے نام سے مشہور ہے اور عجائب روزگار سے ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ایک یہودی کا مقبرہ تھا۔ جاولی نے اسے گرا کر مسجد میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ اس کی ایک دیوار پر لکھا ہے کہ سنجر نے اپنے حلال مال سے اس مسجد کی تعمیر کی اور حرمین کے مال سے کوئی پیسہ اس پر نہیں لگایا۔

زائرین الخلیل کے لئے مسجد جاولیہ کے سامنے ایک لنگر خانہ ہے جہاں حلیم

پکتا ہے۔ اس لنگر خانہ کے دروازے پر طبل خانہ ہے جب دستر خوان پھیلایا جاتا ہے۔ طبل بجایا جاتا ہے لنگر کی طرف اہل شہر اور الخلیل کے مہمان آتے ہیں۔ یہاں کھانا تین وقت تقسیم کیا جاتا ہے پہلی بار صبح میں، دوسری بار ظہر کے بعد، تیسری بار عصر کے بعد۔

اس لنگر و طبل کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کھانے کے وقت طبل بجواتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کھانا تیار ہے اور دور دور کے مسافر مطلع ہو جائیں۔

یہ تمام بیان ہم نے کتاب "ابوالانبیاء" سے بغیر کسی اضافہ کے لیا ہے۔



جانب مکّہ

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی حضرت سارہؓ کے پاس ایک قبطی مصری باندی ہاجرہ تھی جو مذکورہ ظالم بادشاہ نے بطور ہدیہ آپ کو دی تھی۔ آپ نے یہ باندی حضرت ابراہیمؑ کو بخش دی تو اس سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے، یہ آپ کے پہلے بچے تھے، حضرت سارہؓ کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تھا، [1] انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو قسم دلائی کہ ان دونوں کو یہاں سے نکال دیں، حکم الٰہی ہوا کہ مکّہ کی طرف لے جاؤ۔ آپ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو لے کر روانہ ہو گئے اور اس مقام پر پہنچے جہاں اب مکّہ واقع ہے، یہاں نہ کوئی عمارت تھی نہ پانی تھا اور نہ کوئی یہاں رہتا تھا، یہاں تو ببول وغیرہ کی جھاڑیاں تھیں، آپ نے دونوں کو بیت اللہ کے پاس بٹھا دیا اور ایک مشکیزہ کھجوروں کا اور ایک مشکیزہ پانی کا پاس رکھ دیا، پھر آپ شام کی طرف واپس چلے آئے، حضرت ہاجرہؓ پیچھے پیچھے دوڑیں اور کہنے لگیں "آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں یہاں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟" فرمایا "اللہ پر۔" انہوں نے دریافت کیا۔ "کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے؟" فرمایا "ہاں"۔ تو وہ بولیں "وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا

۱۔ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

اور واپس لوٹ آئیں۔ ابراہیمؑ آگے بڑھے، پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے۔

"اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو ایک بنجر وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ نماز کو قائم کریں، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں"۔

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ چاہ زم زم کے قریب ایک بڑے سے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں، جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا تو انہیں اور ان کے بچے کو سخت پیاس لگی۔ وہ ڈریں کہ کہیں بچہ مر نہ جائے۔ لہٰذا صفا اور مروہ کے درمیان سات بار دوڑیں [1] کہ شاید کوئی نظر آجائے مگر کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ ایک دفعہ جب وہ لوٹیں تو حضرت اسماعیلؑ کے پاؤں کے نیچے چشمہ جاری پایا تو وہ کہنے لگیں "زَمی، زَمی (ٹھیر جا، ٹھیر جا)

حدیث میں ہے "اللہ اسماعیلؑ کی ماں پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو ایسے ہی چھوڑ دیتیں تو جاری چشمہ نہ ہو جاتا"۔

ایک دفعہ جرہم کے کچھ لوگ ادھر سے گزرے۔ انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے قیام کی اجازت چاہی کہنے لگے:

"ہمیں اپنے پانی میں شریک کر لے ہم تجھے اپنے دودھ میں شریک کر لیں گے۔ حضرت ہاجرہؓ نے اجازت دے دی، باقی لوگوں کو بھی انہوں نے بلا لیا، حضرت اسماعیلؑ نے ان لوگوں سے عربی سیکھی، وہ ان کے ساتھ شکار کے لئے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا لوگ آپ سے محبت کرنے لگے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔

۱۔ اسی لئے حج میں صفا و مروہ کے درمیان سات بار دوڑنا واجب ٹھہرا۔

شادی کے بعد حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا اور وہ حجر میں دفن کر دی گئیں (یہ واقعہ بنائے کعبہ سے پہلے کا ہے)

پھر حضرت ابراہیمؑ شام سے آئے کہ آل اولاد کی خبر گیری کریں۔ مکّہ پہنچے تو حضرت اسماعیلؑ کی بیوی کو پایا، آپ نے ان سے حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں دریافت کیا، وہ بولی ''یہاں نہیں ہیں''۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کی کچھ خاطر مدارات بھی نہ کی اور کہنے لگی ''ہم سخت تکلیف میں ہیں''۔ آپ نے اس سے کہا ''حضرت اسماعیلؑ آئے تو کہنا اس وضع قطع کا ایک بوڑھا آیا تھا۔ سلام کہہ گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے''۔ حضرت اسماعیلؑ آئے تو اس نے پیغام پہنچا دیا، وہ بولے ''میرے گھر کی چوکھٹ تو ہی ہے، جا اپنے گھر چلی جا''۔ آپ نے ایک اور عورت سے شادی کر لی۔ حضرت ابراہیمؑ پھر مکّہ آئے، حضرت اسماعیلؑ موجود نہ تھے اور آپ کی دوسری بیوی موجود تھی، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اسماعیلؑ کہاں ہیں، وہ بولیں شکار کے لئے گئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔ آپ ٹھہریئے مگر آپ نہ اترے۔ اس نے بہت خاطر کی، حضرت ابراہیمؑ نے کہا ''اسماعیلؑ سے کہنا تیرے گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے باقی رکھنا''۔ حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو کہا ''وہ میرے باپ تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے۔ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تجھے باقی رکھوں''

تعمیر خانہ کعبہ

حضرت ابراہیمؑ مکہ آتے تو قیام نہ کرتے مگر تیسری بار پھر تشریف لائے، اللہ کا حکم تھا کہ تعمیر کعبہ کریں۔ پہنچے تو حضرت اسماعیلؑ کو درخت کے سائے تلے زم زم کے پاس بیٹھے پایا، آپ تیر بنا رہے تھے، حضرت اسماعیلؑ نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے، باپ بیٹے بغل گیر ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "بیٹا! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے"۔ حضرت اسماعیلؑ بولے "تو اطاعت کیجئے"۔ فرمایا "کیا تو میری مدد کرے گا"؟ کہا "کیوں نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں"۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم بناتے جاتے تھے، جب تعمیر ذرا بلند ہو گئی تو حضرت اسماعیلؑ ایک پتھر اٹھا کر لائے تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کریں (یہی مقام ابراہیمؑ ہے) دونوں باپ بیٹے دعا کرتے جاتے تھے کہ "اے پروردگار ہم سے قبول فرما تو سننے والا جاننے والا ہے۔

انہوں نے اس گھر کی تعمیر نہ مٹی سے کی نہ چونے سے بلکہ بس پتھر پر پتھر رکھتے چلے گئے۔ نہ اس کی چھت بنائی بعدازاں مختلف ایام میں بیت اللہ کی تعمیر ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ قریش نے اس کی تعمیر کی۔ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر بیس سال تھی، بعض مورخین نے کچھ زیادہ بھی بتائی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حجر کو بیت اللہ کے پہلو میں حضرت اسماعیلؑ کی بکریوں کا باڑہ بنایا تھا اور اس پر پیلو کی چھت تھی۔ پہلے بیت اللہ کی جگہ ایک سرخ ٹیلا تھا۔ جسے اکثر سیلاب ادھر ادھر سے کاٹتا رہتا تھا۔

جب حضرت ابراہیمؑ تعمیر خانہ کعبہ سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے حضرت اسماعیلؑ سے ایک ایسے پتھر کا مطالبہ کیا جسے بطور علامت کے رکھ سکیں تاکہ وہ آغاز طواف کے لئے بطور نشانی کے استعمال ہو سکے کہتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ اس پتھر کو بوقبیس پہاڑ سے لائے تھے۔ آپ نے اسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں وہ اب قائم ہے روایت ہے کہ یہ بہت زیادہ روشن تھا۔

حضرت جبریلؑ نے تمام مقامات دکھائے پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں کو حج کے لئے پکاریں۔

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق ط	اعلان کر دیجئے لوگوں کو حج کے لئے، وہ آئیں گے پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر سوار جو آئیں گی ہر وسیع گہرے راستہ سے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہا "پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آپ پکاریئے ہم آپ کی پکار کو لوگوں تک پہنچا دیں گے۔"

تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم اپنے

پروردگار کو لبیک کہو"۔

آپ نے داہنے، بائیں، شمال وجنوب میں منہ کرکے آواز دی اور لوگوں نے لبیک کہی۔

حضرت ابراہیمؑ ہر سال حج کے لئے آیا کرتے بعدازاں تمام انبیاء اور ان کی امتیں حج کے لئے آتے رہے۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اورحضرت اسماعیلؑ نے پیادہ پا حج کیے، روایت ہے کہ پچھتر انبیاء نے حج کیا اور منیٰ میں نماز ادا کی۔

تاریخ ازرقی[1] میں ہے کہ انس بن مالک مکّہ آئے تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز حاضر خدمت ہوئے اور پوچھا "مسافروں کے لئے طواف بہتر ہے یا عمرہ"؟ تو آپ نے فرمایا "طواف افضل ہے"۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"اللہ اس گھر پر ہر دن رات میں ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے، ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے ہیں، چالیس نمازیوں کے لئے ہیں اور بیس دیکھنے والوں کے لئے ہیں"۔

حضرت حسان بن عطیہ نے فرمایا ہے "ہم نے رسول اللہؐ کے اس قول میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے ہیں کیونکہ وہ طواف بھی کرتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور کعبہ کی طرف دیکھتا بھی ہے۔" [2]

کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

"خانہ کعبہ میں طرح طرح کی فضیلتیں ہیں، گھر والا ہی انہیں جانتا ہے، جو کوئی یہاں اپنی خطاؤں سے ڈر کر آیا، اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔"

۱۔ وہ امام ابوالولید محمد بن عبد اللہ بن احمد ازرقی ہیں، دوسری صدی مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی صحیح تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکی، آپ کی کتاب "اخبار مکہ" اہم تاریخی کتابوں سے ہے۔

۲۔ ترمذی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا "طواف بمنزلہ نماز کے ہے لہٰذا وہاں جو بھی بات کرو اچھی کرو"۔

خانہ کعبہ کی تعمیریں

خانہ کعبہ گیارہ بار تعمیر ہوا۔

(۱) فرشتوں نے بنایا (۲) حضرت آدمؑ نے بنایا (۳) حضرت شیثؑ نے تعمیر کیا۔ (۴) حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کی (۵) عمالقہ نے بنایا، (۶) جرہم نے تعمیر کیا، (۷) قصی نے تعمیر کی، (۸) قریش نے بنایا، (۹) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کیا، (۱۰) حجاج نے تعمیر کی، (۱۱) سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد نے ۱۰۰۴ھ میں بنایا۔ یہ بادشاہ سلاطین آل عثمانؓ سے تھا۔

ہم ان تمام تعمیرات کو تفصیل سے بیان نہیں کریں گے۔ البتہ مقام ابراہیمؑ کی مناسبت سے تعمیر ابراہیمؑ کا تفصیلی ذکر کریں گے، نیز کچھ حال تعمیر قریش، ابن زبیر، حجاج اور سلطان مراد کا لکھیں گے کیونکہ ان تعمیرات کا کچھ حال ہمیں معلوم ہو سکا ہے۔

قریش کی تعمیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تھی اور دوسری تعمیرات آپ کے بعد ہوئیں۔ ہم ان چاروں تعمیرات کا ذکر کریں گے۔ یہ تمام بیانات ہم نے معتبر تاریخوں سے لئے ہیں۔

ابراہیمیؑ تعمیر

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر بغیر مٹی اور چونے کے تھی، آپ نے خانہ کعبہ کے اندر داہنی جانب ایک گہرا گڑھا کھودا تھا جو کنوئیں کی مانند تھا۔ یہ نذر و نیاز کے لئے خزانہ تھا۔ اس کی گہرائی تین گز تھی جیسا کہ ازرقی نے بیان کیا ہے۔

آپ نے خانہ کعبہ کو چھت دار نہیں بنایا تھا نہ اس میں کوئی لکڑی کا دروازہ تھا۔[1] دروازے کے بجائے آپ نے مشرقی دیوار میں ایک کشادگی چھوڑ دی تھی تا کہ خانہ کعبہ کے داخلے کی راہ معلوم ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ بڑے دیانت دار تھے، خیانت اور چوری سے آشنا نہ تھے۔ نہ ان کے پاس سونا چاندی تھا، نہ وہ لوگ ہماری طرح مضبوط محلات میں رہتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی۔

(۱) طور سینا (۲) طور زیتاء (۳) لبنان[2] (۴) جودی (۵) حراء۔[3]

۱۔ سب سے پہلے جس نے خانہ کعبہ کا دروازہ بنایا جو بند ہو سکتا تھا، اسعد حمیری تھا، وہ ملوک یمن سے تھا، بعثت سے بہت پہلے ہوا ہے، سب سے پہلے اس نے ہی خانہ کعبہ کو مکمل غلاف پہنایا اور اس کے پاس ذبیحہ کیا۔

۲۔ طور زیتاء اور طور سیناء بیت المقدس میں دو پہاڑ ہیں اور لبنان شام میں ہے اسے جبل اولیاء بھی بولتے ہیں۔ (شرح عامود النسب)

۳۔ مکہ کے شمال مشرقی جانب یہ پہاڑ واقع ہیں رسولؐ اللہ یہیں عبادت کیا کرتے تھے اور سب سے پہلی وحی یہیں نازل ہوئی۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد پر بنیاد رکھی تھی، آپ نے کعبہ کے دو رکن رکھے تھے، رکن اسود اور رکن یمنی۔ حجر کی جانب کوئی رکن نہ تھا بلکہ وہ نصف دائرہ کی شکل میں گول تھا، حجر کی جانب پیلو کی چھت تھی جہاں حضرت اسماعیلؑ کی بکریاں بندھتی تھیں، خانہ کعبہ کا کوئی دروازہ نہ تھا، بلندی نو ہاتھ تھی، جہاں آج کل دروازہ ہے۔ یہ دیوار بتیس ہاتھ تھی اوراس کے مقابل کی دیوار اکتیس ہاتھ تھی، وہ دیوار جہاں حجر کی جانب پرنالہ ہے بائیس ہاتھ چوڑی تھی اوراس کے مقابل کی دیوار بیس ہاتھ، تاریخ کعبہ معظمہ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے دو دروازے رکھے تھے یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے صرف ایک کشادگی رکھی تھی، جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ خلیلؑ اللہ نے کیوں بغیر گارے اور چونے کے خانہ کعبہ کی تعمیر کی؟ لکڑی وغیرہ کا دروازہ کیوں نہیں رکھا؟ چھت کیوں نہیں بنائی؟ ایک دروازہ داخلے کے لئے اور ایک باہر جانے کے لئے کیوں نہیں رکھا؟ حجر اسماعیل کو گول کیوں بنایا؟ پیلو کی چھت کیوں بنائی اور اسے پتھر سے کیوں تعمیر نہیں کیا؟

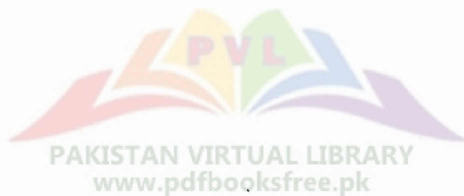
ان تمام باتوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ نے کعبہ کو بغیر گارے، چونے، دروازے اور چھت کے اس لئے بنایا تھا کہ اس دور میں مختلف قسم کے آلات، لوہے کا سامان، کیلیں، اور لکڑی چیرنے کے اوزار نہ تھے۔

مکہ میں چونکہ سوائے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور جرہم کے قبیلے کے کوئی اور نہ تھا اور چونکہ خانہ کعبہ کا اندرونی حصہ کچا تھا لہٰذا کسی چھت یا دروازے کی

ضرورت ہی نہ تھی اور نہ ہی نکلنے اور داخل ہونے کے لئے علیحدہ علیحدہ دروازوں کی ضرورت تھی۔

حجر اسماعیل کو آپ نے اس لئے گول بنایا تھا کہ کعبہ کی سامنے والی دیوار بھی گول تھی اور پہلو سے اس کو اس لئے بنایا تھا تا کہ وہ بنیاد کعبہ میں داخل نہ ہو مگر اسے اس سے خارج بھی نہ سمجھا جائے۔

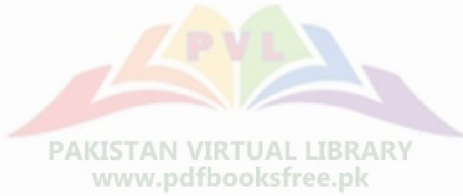
بہر حال انبیائے کرام کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس میں خدا کی مرضی شامل نہ ہو۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔



قریشی تعمیر

مشہور یہ ہے کہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے یعنی آپ کی ولادت کے پینتیس سال بعد کعبہ کی تعمیر کی تھی، انہوں نے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا تھا کیونکہ حلال مال سے جو چندہ انہوں نے تعمیر کے لئے جمع کیا تھا وہ کافی نہ تھا۔ قریش نے حجر کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی گول دیوار بنا دی تھی تا کہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں اور اس کے دروازے کو زمین سے بلند کر دیا تھا اور پتھروں سے اسے مضبوط کر دیا تھا تا کہ سیلاب اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور جسے چاہیں نہ جانے دیں، انہوں نے دروازہ ایک ہی رکھا تھا، غار کعبہ کو بھی باقی رکھا تھا یعنی جو بطور خزانہ کعبہ کے استعمال ہوتا تھا۔ خانہ کعبہ کے اندر انہوں نے دو صفوں میں چھ ستون رکھے تھے۔ ہر صف میں تین ستون تھے، ایک چھت اور ایک پرنالہ تھا جو حجر اسماعیلؑ پر گرتا تھا، اس سے پیشتر کعبہ کی چھت نہ تھی، بلندی اٹھارہ ہاتھ تھی حجر کی جانب کوئی ستون نہ تھا بلکہ دیوار مدوّر تھی جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ نے بنائی تھی۔ لوگ اسی طرح کعبہ کے اتباع میں اپنے گھر گول بنایا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حمید بن زہیر نے اپنا گھر مربع بنایا۔

قریش نے کعبہ کی تعمیر اس لئے کی تھی کہ ایک عورت نے کعبہ کو دھونی دی تو ایک شرارہ غلاف کعبہ پر بیٹھ گیا اور آگ لگ گئی، ہر سمت سے دیواریں پھٹ کر کمزور ہو گئیں، قریش کی تعمیر سے پیشتر کعبہ کی تعمیر میں مٹی یا چونا لگایا گیا تھا۔ باہر کی جانب دیواروں کے اوپر سے پردے ڈالے جاتے تھے اور اندرونی جانب میں بالائی حصہ سے پردے باندھے جاتے تھے۔ قریش نے کعبہ کی تعمیر گارے سے کی۔ جس نے یہ عمارت گارے سے بنائی اس کا نام باقوم رومی تھا۔ [1]



۱۔ ایک معمار تھا جو ساحل عرب پر تجارت کرتا تھا۔ ایک دفعہ لکڑیاں بھر کر لایا تو کشتی جدہ کے قریب ٹوٹ گئی۔ قریش کو پتا چلا تو انہوں نے یہ لکڑی کعبہ کی چھت کے لئے خرید لی۔ اور کشتی والوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا مال مکہ میں لے جا کر بیچ لیں ان سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا اور باقوم سے انہوں نے چھت بنوائی۔

زبیریؓ تعمیر

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے تین دن تک استخارہ کرنے کے بعد کعبہ کو بالکل زمین کے برابر کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کو بھی کھدوایا تو دیکھا کہ وہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت حجر اسماعیلؑ میں داخل ہے۔ لہٰذا آپ نے انہی کی بنیادوں پر تعمیر کی۔ ایسا انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کی بناء پر کیا۔ آپ نے اس کی بلندی ستائیس ہاتھ رکھی تا کہ عرض کے مناسب ہو جائے، ایک دروازہ داخلے کے لئے اور ایک باہر جانے کے لئے بنایا۔ یہ دونوں دروازے زمین کی سطح کے برابر تھے۔ ہر دروازے کی لمبائی گیارہ ہاتھ تھی اور ہر ایک کے دو کیواڑ تھے۔ آپ نے کعبہ کے چار ستون بنائے، آپ کے زمانے میں یہ چاروں ستون چومے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ شہید کر دیئے گئے اور خانہ کعبہ کو گرا دیا گیا۔ آپ نے رکن شامی کی طرف ایک زینہ اوپر جانے کے لئے بنایا تھا۔ سونے سے اسے مزین کیا تھا اور چھت پر پرنالہ رکھا تھا جو حجر میں گرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی تعمیر چونے سے کرائی تھی جو یمن سے منگوایا گیا تھا بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے تعمیر پگھلے ہوئے رنگ سے کرائی تھی۔ جس میں درس ملی ہوئی تھی (درس ایک قسم کی زرد گھاس ہوتی ہے جس سے کپڑے

رنگے جاتے ہیں اور جو یمن میں پیدا ہوتی ہے)۔

جب آپ تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اس کے اندر مشک وغیرہ بھروایا اور دیواروں کو باہر کی جانب مشک سے لپوایا اور دیبا کا پردہ ڈلوایا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ کتان مصری کا غلاف ڈالا تھا، یہ دن عجیب تھا، اس دن بہت سے غلام آزاد کئے گئے، بہت سے اونٹ ذبح کئے گئے اور بہت سی بکریاں ذبح کی گئیں، حضرت ابن زبیرؓ ننگے پاؤں نکلے اور آپ کے ساتھ بہت سے قریشی ننگے پاؤں نکلے حتیٰ کہ مقام تنعیم کی مسجد حضرت عائشہؓ میں پہنچے اور عمرہ کا احرام باندھا کہ اللہ نے انہیں ابراہیمی تعمیر پر تعمیر کرنے کی توفیق بخشی۔

ابن زبیر نے اس لئے تعمیر کی تھی کہ ایک شخص نے محاصرے کے زمانے میں مسجد حرام کے کسی خیمے میں آگ جلائی، خیمے میں آگ لگ گئی اور چلتے چلتے کعبہ تک پہنچ گئی لہٰذا غلاف اور رکن یمنی جل گیا یہ واقعہ ۶۴ھ کا ہے۔

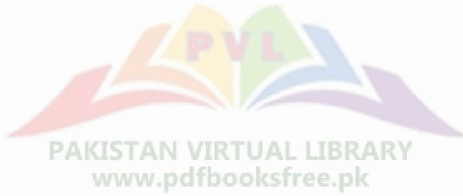
حجّاج کی تعمیر

عبد اللہ ابن زبیر کے قتل کرنے کے بعد حجاج بن یوسف الثقفی نے عبد الملک بن مروان کو لکھا کہ "ابن زبیر نے کعبہ میں اضافہ کیا ہے اور ایک دروازہ بڑھا دیا ہے، کیا میں جاہلی زمانے کی تعمیر کے مطابق نہ کر دوں؟" حجاج نے کعبہ کو گرا کر قریشی بنیاد کے مطابق اسے بنا ڈالا، مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازے کو سطح زمین سے بلند کر دیا، دروازے کی لمبائی سے چار ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا، لہٰذا اس کی لمبائی چھ ہاتھ اور ایک بالشت رہ گئی۔ یہ واقعہ ۷۴ھ کا ہے۔

خانہ کعبہ کی ہر ایک چیز ابن زبیرؓ کی بنائی ہوئی ہے۔ سوائے اس دیوار کے جو حجر میں ہے کہ وہ حجاج کی بنائی ہوئی ہے، اسی طرح مشرقی دروازے کی چوکھٹ اور وہ اندرونی سیڑھی جو سقف کعبہ تک پہنچاتی ہے اور جو دو دروازے اس پر ہیں وہ بھی حجاج کے بنائے ہوئے ہیں، خانہ کعبہ کی تعمیر سلطان مراد کے زمانے تک رہی جیسا کہ آئندہ اسکا ذکر آئے گا۔

حجر اسماعیلؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں شامل تھا اور ابن زبیرؓ کی تعمیر میں بھی وہ چھوٹا سا تھا اور دونوں تعمیروں میں اس کی مقدار ایک ہی جیسی تھی مگر قریش

کی تعمیر اور حجاج کی تعمیر میں وہ وسیع تھا۔ اس کی موٹائی اسی قدر تھی جتنی کہ اب ہے کیونکہ حجاج نے خانہ کعبہ کو اس طرز پر بنایا تھا جس طرز پر قریش نے بنایا تھا، اس سے پہلے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دی گئی تھی۔ حجاج نے اس کو وسیع کر دیا۔



حجاج نے خانہ کعبہ کو کیوں بنایا؟

بعض مورخین کہتے ہیں کہ عبد الملک بن مردان نے حجاج کو جو حکم دیا تھا، کہ ابن زبیرؓ کی تعمیر کو منہدم کر دے یہ صرف خصومت کی بناء پر تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے، مسلمانوں اور خصوصاً قرن اول کے مسلمانوں سے یہ بات بعید ہے کہ وہ خانہ کعبہ کو ایک دوسرے سے نفرت کی بناء پر منہدم کریں، وہ تو ایسا انتہائی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں کرتے تھے۔ پہلے علماء سے فتویٰ لیتے اورلوگوں سے مشورہ کرتے تب کہیں ہاتھ اٹھاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبد الملک بن مردان نے جو خانہ کعبہ کے گرانے کے متعلق حجاج کو حکم دیا تھا وہ صرف اس لئے تھا کہ جب ابن زبیرؓ کے محاصرے کے زمانہ میں خانہ کعبہ میں آگ لگی تو انہوں نے اپنی مرضی اور اپنے اجتہاد کے مطابق اسے گرا کر از سر نو تعمیر کرا دیا۔ چنانچہ امام ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

"جب حجاج بنائے کعبہ سے فارغ ہو گیا تو حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ المخزومی عبد الملک کے پاس گئے، عبد الملک نے ان سے کہا، "میں خیال کرتا ہوں کہ ابن زبیرؓ نے کعبہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا"۔ حارث

بولے ”میں نے حضرت عائشہؓ سے یہی بات سنی تھی“ عبد الملک نے کہا ”وہ کیا؟“ انہوں نے کہا ”حضرت عائشہؓ سے رسولؐ اللہ نے فرمایا ”تیری قوم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کو چھوٹا کر دیا، اگر تیری قوم نومسلم نہ ہوتی تو میں اسے سابقہ بنیاد ہی پر تعمیر کرا دیتا، آ، میں تجھے دکھاؤں انہوں نے کتنا حصہ چھوڑ دیا ہے، تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو سات ہاتھ چھوٹا ہوا حصہ دکھایا اور فرمایا شاید تیری قوم کو تعمیر کا موقعہ ملے۔ میں زمین پر اس کے دو دروازے بناتا ایک شرقی جس سے لوگ داخل ہوتے اور ایک غربی جس سے لوگ نکلتے“۔ عبد الملک بن مروان نے کہا ”کیا تو نے خود حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی“؟ انہوں نے کہا ”ہاں امیر المومنین! میں نے خود یہ حدیث ان سے سنی“۔ تو عبد الملک بڑی دیر تک ایک شاخ سے زمین کو سر جھکائے کریدتا رہا، پھر بولا ”کاش میں ابن زبیرؓ کی تعمیر کو اسی طرح چھوڑ دیتا، اس نے بڑا خرچ کیا“۔ یہاں تک ازرقی کا بیان تھا۔

یہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ عبد الملک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق تعمیر کرائی تھی، جب یہ بات اس پر روشن ہوگئی تو وہ بڑا نادم ہوا۔ آپ اس حدیث میں غور کریں گے تو ایک معجزہ کا ظہور پائیں گے کہ رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا ”شاید تیری قوم کو تعمیر کا موقعہ ملے“۔ اس میں اس جانب اشارہ تھا کہ تعمیر کعبہ تیری زندگی میں ہوگی اور تیرا بھانجا اس کی تعمیر کرے گا کیونکہ عبد اللہ بن زبیرؓ آپ کی بہن اسماء بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے یہ دونوں اشارے آپ کی وفات کے ترپن سال بعد صحیح ثابت ہوئے۔

سلطان مُراد رابع کی تعمیر

سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد، سلاطین آل عثمان سے تھا، اس کی تعمیر کا یہ سبب ہوا کہ بدھ کے دن آٹھ بجے صبح ۱۹ شعبان ۱۰۳۹ھ میں مکہ اور اس کے اطراف میں سخت بارش ہوئی تو سیلاب مسجد حرام میں در آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے کے قفل سے بھی دو میٹر اوپر ہو گیا۔ اس کے اگلے دن جمعرات کو عصر کے وقت کعبہ کی شامی دیوار دونوں طرف سے گر گئی اور اس کے ساتھ مشرقی دیوار کا کچھ حصہ بھی جو باب شامی سے متصل تھا جا پڑا صرف چوکھٹ کے بقدر حصہ باقی رہ گیا اور غربی دیوار دونوں طرف سے چھٹے حصے کے بقدر گر گئی اور بیرونی طرف سے دو ثلث اور چھت کا کچھ حصہ بھی گر گیا جو شامی دیوار سے ملحق تھا۔

مورخ کبیر شیخ عبداللہ الغازی الہندی المہاجر مکہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''وہ شامی جانب جو گر گئی تھی، حجاج نے اس کی تعمیر کی اور چھت کا بھی کچھ حصہ گر گیا تھا''۔

غازی کا یہ بیان حقیقت کے مطابق ہے۔

سلطان مراد نے بنائے کعبہ کا حکم دیا اس کی تعمیر ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوئی، جس

طرح حجاج نے بنائی تھی اسی طرح اس نے بنوائی۔ سلطان مراد کی تعمیر ہمارے اس دور تک باقی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر اور قریش کی تعمیر کے درمیان دو ہزار چھ سو پینتالیس ۲۶۴۵ سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں حلبی سے نقل کیا ہے۔

قریش اور ابن زبیر کی تعمیر کے درمیان بیاسی سال کا فاصلہ ہے، حجاج اور ابن زبیر کی تعمیر کے درمیان دس سال کا اور حجاج اور سلطان مراد کی تعمیر میں نو سو چھیاسٹھ سال کا ہے۔

جو کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو وہ کتب تاریخ کا مطالعہ کرے کیونکہ ہم نے بنا بر مناسبت کے بطور خلاصے کے کچھ بیان درج کیا ہے۔

ہم نے بنائے ابراہیمی، بنائے قریش، تعمیر عبداللہ بن زبیر ؓ اور تعمیر حجاج ثقفی کی یہ تشریح صحیح ترین روایات کے مطابق لکھی ہے۔

ہم نے ان چاروں زمانوں کی تعمیرات کا ذکر نہایت واضح طور پر درج کر دیا ہے اوجو کچھ معتبر تاریخوں میں لکھا ہے اس کے مطابق درج کر دیا ہے تاکہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اس کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

فسبحان من کرم بیته الحرام بالتعظیم والاجلال

والحمدلله الذی جعلنا من اهله وجیرانه

خانہ کعبہ و مطاف کے حدود

رجب ۱۳۶۷ھ میں ہم نے کعبہ اور اس کے اردگرد کو ناپا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم سطح زمین سے اس کی نسبت نہیں لے سکتے۔ البتہ ابراہیم رفعت پاشا نے اپنی کتاب مراۃ الحرمین میں اس کا ذکر کیا ہے ہم سے پہلے کسی نے کعبہ و مطاف کی اس طرح پیائش نہیں کی۔

سینٹی میٹر	میٹر	حدود مطاف کعبہ
۰۰	۱۵	ارتفاع کعبہ زمین سے چھت تک
۵۸	۱۱	مشرقی دروازے کی جانب سے کعبہ کی لمبائی، چوکھٹ کے علاوہ۔
۹۳	۱۱	جانب غرب سے لمبائی، بغیر چوکھٹ کے۔
۲۲	۱۰	جانب شامی سے لمبائی، چوکھٹ کے بغیر۔
۱۳	۱۰	ستونوں کے درمیان کا فاصلہ، چوکھٹ کو نکال کر۔
۵۰	۱	حجر اسود کی زمین سے بلندی۔

سینٹی میٹر	میٹر	حدود مطاف کعبہ
۰۰	۲	زمین سے دروازے کی بلندی۔
۰۰	۲	دروازے کی لمبائی
۶۵	۲	جانب مشرق سے حجر اسماعیل
۵۸	۲	جانب غرب سے حجر اسماعیل
۳۶	۸	میزاب کعبہ اور حجر اسماعیل کا درمیانی فاصلہ
۱۰	۱۱	خانہ کعبہ کی چوکھٹ اور مقام ابراہیم کی کھڑکی تک کا درمیانی فاصلہ شرقی جانب سے
۰۰	۱۲	حجر اسماعیل اور مطاف کے چکر کا درمیانی فاصلہ جانب شامی سے
۸۰	۱۵	خانہ کعبہ کی چوکھٹ اور دائرۂ مطاف کا درمیانی فاصلہ، مقام حنبلی کے سامنے
۸۰	۱۵	خانہ کعبہ کی چوکھٹ اور دائرہ مطاف کا درمیانی فاصلہ، مقام مالکی کے سامنے

خانہ کعبہ کے معمار

اب ہم ان لوگوں کے مختصر حالات زندگی لکھتے ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لیا، خانہ کعبہ کے سب سے پہلے بانی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں اب ہم باقی لوگوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔

قریش

اہل عرب انسانوں میں سب سے افضل ہیں اور قریش اہل عرب میں سب سے افضل ہیں، ہم تفصیل کے ساتھ ان کے پورے نسب کا بیان نہیں کر سکتے۔ ذیل میں العقد الفرید سے مختصراً بیان درج کرتے ہیں۔

قریش نضر بن کنانہ کہلاتے تھے، یہ لوگ بنو کنانہ میں پھیلے ہوئے تھے، سب سے پہلے انہیں، قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک نے بیت اللہ کے پاس جمع کیا، قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں اسی لئے قصی کو مجمع یعنی جمع کرنے والا کہتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

قصی ابو کم من یسمیٰ مجمعا ○ به جمع اللّٰه القبائل من فهر

ترجمہ: تمہارے باپ قصی کو مجمع کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ فہر کے قبائل کو جمع کیا۔

قریش، آل اللہ جیران اللہ اور سکان اللہ کہلاتے تھے، اسی کے بارے میں عبدالمطلب کہتے ہیں۔

نحن آل اللّٰه فی ذمته لم نزل فیها علی عهد قدم ان للبیت لربا مانعا

من یرد فیہ بالم یخترم لم تزل للّٰہ فینا حرمتہ یدفع اللّٰہ بھاعنا ا لنقم O

ترجمہ : ہم آل خدا ہیں اور اس کی نگرانی میں ہیں قدیم زمانے سے اس کی حفاظت میں چلے آتے ہیں وہ خانہ کعبہ کی حفاظت کرتا ہے۔ جو کوئی اس میں کسی گناہ کا ارادہ کرے گا ذلیل ہوگا۔ ہمیشہ ہم اللہ کا احترام کرتے چلے آئے ہیں۔ اللہ ہم سے مصائب کو دور رکھے۔

قریش کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ رسولؐ اللہ صلعم نے فرمایا ہے:

"امام اہل قریش سے ہوں گے، نیک لوگوں کے امام نیک ہوں گے اور بروں کے برے امراء ہوں گے۔ اگر تمہارے اوپر اہل قریش کسی نکٹے حبشی غلام کو سردار بنائیں تو اس کی اطاعت کرنا اور اس کی فرماں برداری کرنا جب تک کہ وہ اسلام اور سر اڑوا دینے کے درمیان تمہیں اختیار نہ دے۔ اگر ایسی صورت ہو جائے کہ وہ یہ کہے کہ یا اسلام کو چھوڑ دو ورنہ سر قلم کروا لو تو تم اپنا سر پیش کر دینا"۔

(حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں اس روایت کو نقل کیا ہے)

رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قریش کو آگے بڑھاؤ اور ان سے آگے نہ بڑھو"۔ نیز فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیلؑ کو چنا اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے بنو کنانہ کو منتخب کیا اور بنو کنانہ سے اہل قریش کو پسند کیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور مجھے بنو ہاشم میں سے چنا"۔

آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین گروہ میں پیدا کیا اور (عرب وعجم) دو فریقوں میں سے بہترین لوگوں میں پیدا کیا، پھر قبائل میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا اور ان میں سے بھی بہترین گھرانے میں پیدا کیا۔ لہٰذا میں ان کے نفوس میں سب سے بہتر ہوں اور ان کے گھرانے میں سب سے بہتر گھرانے والا ہوں"۔

جس زمانے میں اہل قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، آپؐ ان کے ساتھ شریک تھے، آپ قریشیوں کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے، اور قریش کے سب سردار شریک تعمیر تھے، جن میں یہ لوگ شامل تھے۔ ولید بن مغیرہ، ابوجہم، عباس بن عبد المطلب، ابو امیۃ بن المغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، ابوزمعۃ بن الاسود بن المطلب، عاص بن وائل، ابوحذیفہ بن المغیرہ، ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم، ابوسفیان اور ابو احیحۃ سعید بن العاص۔

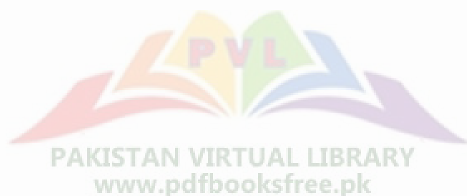
ولید سب سے پہلا شخص تھا جو خانہ کعبہ پر چڑھا اور اسے منہدم کرنا شروع کیا۔ ورنہ قریش خانہ کعبہ کو گراتے ڈرتے تھے، پھر اس کی دیکھا دیکھی قریشیوں نے بھی انہدام میں حصہ لیا، کعبہ کو منہدم کرتے وقت ولید یہ کہتا جاتا تھا۔

"اے اللہ ہم صرف اصلاح کی غرض سے یہ کام کر رہے ہیں"۔

ابوجہم، ابن زبیرؓ کی تعمیر خانہ کعبہ میں بھی شریک ہوئے تھے، عنقریب ہم ان کے سوانح ذکر کریں گے۔

مذکورہ بالا سرداروں کے علاوہ اور لوگ بھی شریک تھے، ہم نے صرف بڑے

بڑے لوگوں کے نام ذکر کر دیئے ہیں اوران سب کے سوانح بھی خوف طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیے۔



عبداللہ بن زبیرؓ

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ بن العوام بن خویلد، قریشی النسل ہیں، آپ کی والدہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق تھیں اور آپ کے باپ زبیر بن العوام تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے سال پیدا ہوئے، آپ مدینہ میں سب سے پہلے مسلمان بچے ہیں، جب آپ پیدا ہوئے تو صحابہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ کی والدہ حضرت اسماء سے روایت ہے کہ مکہ میں ایسی حالت میں نکلیں کہ پورے دنوں تھیں۔ جب مدینہ کی طرف آئیں تو قبا میں اتریں اور وہیں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ ''میں آپ کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائی اور آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے کھجور منگائی اور چبا کر آپ کے منہ میں تھتکار دیا لہٰذا آپ کے پیٹ میں سب سے پہلی چیز جو داخل ہوئی وہ رسول اللہ کا لعاب دہن تھا۔ پھر آپ نے کھجور کے ساتھ آپ کی تحنیک کی (تالو میں ذرا سی کھجور لگا دی) پھر آپ کے لئے دعا کی پھر آپ کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور عبداللہ نام رکھا''۔

جب آپ سات یا آٹھ سال کے ہوئے تو آپ کے پدر بزرگوار یعنی حضرت زبیرؓ نے آپ کو حکم دیا کہ رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کریں جب وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے تو آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور بیعت کرلیا۔

حضرت ابن عباس نے ان الفاظ میں آپ کی توصیف کی ہے

''وہ مصنف الاسلام، قاری قرآن، رسولؐ اللہ صلعم کے حواری کے بیٹے، حضرت صدیقؓ کے نواسے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کے پوتے ہیں، حضرت خدیجہ بنت خویلد آپ کے باپ کی پھوپی تھیں۔

حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے:

''میں نے ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھا نمازی کوئی نہیں دیکھا''۔ مجاہد فرماتے ہیں ''عبادت کی کوئی بھی ایسی راہ نہیں جس پر عبد اللہ بن زبیرؓ نہ چلے ہوں، ایک دفعہ خانہ کعبہ میں سیلاب کا پانی جمع ہوگیا تھا تو میں نے دیکھا کہ عبد اللہؓ تیر کر طواف کر رہے ہیں''۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے جب کہ وہ ابھی چھوٹے سے تھے رسولؐ اللہ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں، اپنے باپ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت سفیان بن زہیرؓ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔

اسلام میں جو چار عبد اللہ مشہور ہیں آپ ان میں سے ایک ہیں اور مشہور و بہادر صحابی ہیں، آپ کی کنیت ابوخبیب تھی، خبیب آپ کے بیٹے کا نام تھا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنے باپ کے ساتھ جنگ یرموک میں شریک تھے، افریقہ کی جنگ میں بھی شریک ہوئے، حضرت عثمانؓ کی خدمت میں فتح افریقہ کی

خوشخبری آپ ہی لائے تھے، یوم الدار میں بھی آپ شریک تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فتنے میں آپ حضرت عثمانؓ کی جانب سے مدافعت کر رہے تھے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے۔ پھر آپ حضرت علیؓ و معاویہ کی جنگ سے علیحدہ رہے، بعدازاں حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر جب حضرت معاویہ نے یہ چاہا کہ آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں تو آپ اس کی بیعت سے باز رہے، مکہ شریف چلے آئے اور حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ یزید نے سلیمان کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ بیعت کر لیں مگر آپ نے انکار کر دیا اور آپ کے لئے عائذ اللہ (خدا کا پناہ گیر) کا لقب اختیار کیا۔

جب جنگ حرہ ہوئی اور شامیوں نے اہل مدینہ کا قتل عام کر دیا تو پھر شامی مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے لڑے، اس محاصرے کے دوران میں خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی تھی۔

محاصرہ کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ یزید کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور وہ مکہ سے واپس ہو گئے، اور اہل مکہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جب مروان مر گیا اور عبد الملک بن مروان اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو عبد الملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو آپ کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجا، حجاج نے آپ سے جنگ کی اور شکست دی، جمادی الاول ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ شہید کر دیئے گئے۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ سے منقول ہے۔

امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی آٹھویں جلد میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے متعلق ایک طویل بیان دیا ہے، ابن کثیر لکھتا ہے۔

ثابت بنانی سے مروی ہے کہ ”میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو مقام ابراہیمؑ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا، آپ اس طرح کھڑے تھے جیسے کسی نے لکڑی گاڑ دی ہو“۔

یحییٰ بن وثاب نے بیان کیا، کہ ”ابن زبیرؓ جب سجدہ کرتے تو چڑیاں آپ کی پشت پر بیٹھ جاتیں اور خوب دوڑتی پھرتیں وہ یہ خیال کرتی تھیں کہ یہ بھی دیوار کا ایک حصہ ہے“۔

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ”ابن زبیرؓ رات بھر کھڑے رہتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی اور کبھی تمام رات رکوع ہی میں گزار دیتے اور کبھی ساری رات سجدہ ہی میں پڑے رہتے“۔

ابن منکدر سے روایت ہے۔

”میں نے ابن زبیرؓ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی شاخ ہو اسے جھوم رہی ہو۔ دراں حالیکہ گوپھن کے پتھر آپ کے آس پاس آ آکر گر رہے تھے۔“ سفیان نے کہا ہے کہ مراد اس قول سے یہ ہے کہ آپ گوپھن کے پتھروں کی پروا نہ کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ ”گوپھن کا ایک پتھر، مسجد حرام کے کنگرے پر لگا اور اسکا ایک کونہ گر گیا، یہ پتھر حضرت عبد اللہ بن زبیر کے حلق کے پاس سے ہو کر گیا تھا، مگر آپ نے کچھ بھی پروا نہ کی اور نہ آپ

کے چہرہ پر کسی قسم کا کوئی تاثر ظاہر ہوا"۔ حضرت عمرؒ بن عبد العزیز نے یہ بات سنی تو کہا "لا الہ الا اللہ وہ ایسے ہی تھے جیسے تو نے بیان کیا"۔

جب ابن زبیرؓ نماز پڑھتے تو دنیا کی ہر چیز سے فارغ البال ہو کر پڑھتے۔ رکوع کرتے تو پرند آپ کی پشت پر اترتے اور سجدہ کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کپڑا پڑا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے ایک سانپ چھت سے گرا اور آپ کے بیٹے ابن ہاشم کے پیٹ سے لپٹ گیا، عورتیں چلائیں، گھر والے گھبرا گئے اور سب سانپ مارنے پر لگ گئے، سب نے مل کر سانپ کو مار ڈالا اور بچہ صحیح سالم بچ گیا، یہ سب کچھ ہوتا رہا اور آپ ذرا بھی متوجہ نہ ہوئے۔ نماز ہی پڑھتے رہے آپ کو پتا تک نہ چلا کہ کیا ہوا۔

ابن زبیرؓ متواتر سات دن روزہ رکھا کرتے۔ جمعہ کے دن روزہ رکھتے اور دوسرے جمعہ کی شب میں افطار کرتے، مدینہ میں روزہ رکھتے اور مکہ میں افطار کرتے اور مکہ میں روزہ رکھتے اور مدینہ میں افطار کرتے۔

ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ "آپ پورے رمضان کے مہینہ میں صرف پندرھویں رمضان کو کچھ کھا لیا کرتے تھے"۔

خالد بن ابی عمران سے روایت ہے کہ ابن زبیرؓ مہینے میں صرف تین دن افطار کرتے تھے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابن زبیرؓ کا تین چیزوں میں کوئی ہمسر نہ تھا یعنی عبادت، شجاعت اور فصاحت میں۔

لیث نے مجاہد سے روایت کی ہے "کہ "ابن زبیرؓ جیسی سخت عبادتیں کرتے

تھے اس طرح کوئی بھی مشقت برداشت نہیں کر سکتا"۔

حضرت عثمان غنیؓ نے آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا تھا جو کلام پاک لکھا کرتے تھے۔ آپ بڑے بلند آواز تھے، جب خطبہ دیتے تو ابوقبیس اور زوراء پہاڑ گونج جاتے۔

آپ کی خلافت ۶۴ھ میں قائم ہوئی، پوری مدت خلافت برابر حج کرتے رہے، آپ نے دوران خلافت میں کعبہ کی تعمیر کرائی اور حریر کا غلاف چڑھوایا۔ اس سے پیشتر خانہ کعبہ پر ٹاٹ اورر چمڑا چڑھا رہتا تھا، آپ خانہ کعبہ کو خوشبو لگوایا کرتے تھے۔ یہ خوشبو دور سے لوگوں کو محسوس ہوتی تھی، آپ کی شہادت منگل کے دن ۱۷ جمادی الاول ۷۳ھ میں ہوئی صحیح قول یہی ہے۔ آپ کی والدہ آپ کی شہادت کے سو دن بعد تک زندہ رہیں، اس وقت آپ کی والدہ کی عمر سو سال ہو چکی تھی اور ان کا ایک بھی دانت خراب نہیں ہوا تھا اور نہ بصارت کمزور ہوئی تھی، رضوان اللہ علیہم اجمعین، یہ بیان تاریخ ابن کثیر سے ملخصاً لیا ہے۔

حجاج بن یوسف

مسعودی اپنی کتاب مروج الذہب میں لکھتا ہے:

"حجاج کی ماں، فارعہ بنت ہمام بن عروۃ بن مسعود الثقفی، حکیم عرب حارث بن کلدۃ الثقفی الطائی کی بیوی تھی، ایک دن وہ بیوی کے پاس صبح صبح گیا تو دیکھا کہ وہ خلال کر رہی ہے تو اس نے طلاق دے دی، بیوی نے دریافت کیا کہ "مجھے طلاق کیوں دی؟ کیا مجھ سے کوئی شک کی بات دیکھی؟" اس نے کہا "ہاں میں صبح صبح تیرے پاس آیا تو تجھے خلال کرتے پایا، اگر تو نے مجھ سے پہلے ناشتہ کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ تو حریص عورت ہے اور اگر ایسی حالت میں سو گئی تھی کہ دانتوں میں کھانے کے اجزاء رہ گئے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ تو گندی عورت ہے"۔ اس نے کہا "ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہ تھی میں تو مسواک کے ریزے دانتوں میں سے نکال رہی تھی۔"

اس کے بعد یوسف بن ابی عقیل ثقفی نے اس سے شادی کر لی تو حجاج پیدا ہوا۔

ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں لکھا ہے کہ "فارعہ، مغیرہ بن شعبہ کی بیوی تھی

اور اس نے مذکورہ بالا حکایت کی بنا پر اسے طلاق دی تھی“۔

اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”حجاج اور اس کا باپ طائف میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ پھر حجاج کا تعلق روح بن زنباع الجذامی وزیر عبد الملک بن مروان سے ہو گیا، اس نے اپنی پولیس میں داخل کر لیا، بعد ازاں عبد الملک نے اسے فوج کا افسر بنا دیا“۔

حجاج، قرآن کے مشہور حافظوں سے تھا، اس نے مشبہ حروف کے لئے قرآن میں علامات لگوائیں اور نصر بن عاصم اللیثی اور یحییٰ بن یعمر العدوانی کو اس کام پر تعینات کیا، انہوں نے حروف ہی کے لئے نقطے ایجاد کئے تا کہ وہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہوں جیسے دال، ذال اور فاء، قاف، وغیرہ کے لئے (دیکھو ہماری کتاب تاریخ القرآن اور تاریخ الخط العربی)

حجاج کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ شہر واسط کی بنیاد اس نے ڈالی تھی۔ یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے، ۸۶ھ میں وہ اس شہر کی تعمیر سے فارغ ہوا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ۸۷ھ میں اس کام سے فارغ ہوا اور وہیں مرا اور دفن ہوا، اس کی قبر مٹا دی گئی اور سیلاب کا پانی آ گیا۔ ۹۵ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۵۴ سال تھی۔ ہم نے یہ بیان تاریخ ابن خلکان سے مختصراً لیا ہے۔

امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی نویں جلد میں حجاج بن یوسف کے حالات بڑی تفصیل سے دیئے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں ”ایک دن وہ خطبہ دے رہا تھا، قبر کا ذکر کرنے لگا تو وہ یہی کلمات کہتا رہا کہ قبر تنہائی اور مسافرت کا گھر ہے حتیٰ کہ خود بھی

خوب رویا اور تمام لوگ بھی رونے لگے"۔

حجاج ۳۹ھ میں پیدا ہوا، جوان ہوا تو بڑا فصیح و بلیغ اورر عقل مند نکلا، حافظ قرآن تھا۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ حجاج ہر شب کلام پاک پڑھا کرتا تھا"۔ عقبہ بن عمرو نے کہا ہے "میں نے لوگوں کی عقلیں ایک دوسرے سے قریب دیکھی ہیں مگر حجاج اور ایاس بن معاویہ کو عجیب و غریب عقل والا پایا، ان کی عقلیں بہت وزنی تھیں اور حجاج میں دانائی بہت تھی۔ وہ ذرا سے شبہ پر لوگوں کو قتل کرا دیتا تھا۔ وہ ناصبی تھا یعنی حضرت علیؓ اور شیعان علی سے بغض رکھتا تھا اور آل مروان بن امیہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ جہاد اور فتوحات کا بڑا شوقین تھا، قرآن کی خدمت کرنے والوں کو خوب روپیہ دیتا"۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا:

"میں دشمن خدا حجاج بن یوسف پر اس کی اس عادت کی وجہ سے رشک کرتا ہوں کہ وہ قرآن سے بہت محبت کرتا تھا اور قرآن کے خادموں کو بہت کچھ لیتا دیتا تھا۔ مجھے اس کی اس بات پر رشک آتا ہے کہ مرتے دم اس نے یہ الفاظ کہے "اے اللہ! مجھے بخش دے کیونکہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تو ایسا نہیں کرے گا"۔

جب حجاج مرنے لگا تو اس نے یہ شعر پڑھے:

یا رب قد حلف الاعداء واجتهدوا یا منی رجل من ساکنی النار

ایحلفون علی عمیاء و یحسبهم ما علمهم بعظیم العفو غفار O

ترجمہ: اے اللہ دشمن قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں دوزخ کا کندہ ہوں۔ کیا ان دیکھی بات پر قسم کھاتے ہیں، افسوس انہیں کیا پتا کہ اللہ کتنا بڑا غفار ہے۔

حضرت حسنؓ کو یہ قصہ سنایا گیا تو آپ نے فرمایا "قسم بخدا اگر نجات پائے گا تو ان ہی دو شعروں کی وجہ سے نجات پائے گا"۔

بعض مورخین نے یہ دو شعر اور لکھے ہیں:

ان الموالی اذا شابت عبیدھم فی رقھم عتقوھم عتق ابرار وانت

یخالقی اولٰی ذاکرا ما قد شبت فی الرق ما عنھی من النار O

ترجمہ: جب آقاؤں کے غلام بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں آزاد کر دیتے ہیں اے میرے پروردگار تیرے لئے یہ بات زیادہ شایان ہے میں تیری غلامی میں بوڑھا ہو گیا لہٰذا مجھے آگ سے آزاد کر دے۔

جب حجاج مر گیا تو کسی کو پتا نہ چلا کہ ایک لونڈی نے بلند آواز سے رونا شروع کیا۔

"اے کھانا کھلانے والے! اے بچوں کو یتیم کرنے والے! اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے! اے کھوپڑیوں کے پھوڑنے والے! اے اہل شام کے سردار! تو مر گیا پھر یہ شعر پڑھا:

الیوم یرحمنا من کان یبغضنا والیوم یا مننا من کان یخشاناO

ترجمہ! آج ہم پر وہ شخص رحم کرے گا جو ہم سے بغض رکھتا تھا اور وہ لوگ بے خوف ہو جائیں گے جو آج سے پہلے ہم سے ڈرتے تھے۔

پچپن سال کی عمر میں واسط میں مرا، اس کی قبر پر پانی بہا دیا گیا تھا تاکہ اس کی قبر کو کوئی نہ اکھاڑے اور نہ آگ لگائے۔

کہتے ہیں کہ "جب حجاج مرا تو اس کے پاس صرف تین سو درہم، قرآن، تلوار،

زین کجاوہ اور سوزر ہیں تھیں"۔

عوف نے بیان کیا ہے کہ امام ابن سیرین کے سامنے حجاج کا ذکر کیا گیا تو فرمایا!

"مسکین ابو محمد پر اگر اللہ عذاب نازل کرے گا تو اس کے گناہوں کی بناء پر کرے گا۔ اور اگر بخش دے گا تو اسے مبارک ہو، اگر وہ اللہ سے قلب سلیم کے ساتھ ملے گا تو کوئی جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ ہم سے بہتر تھا، ہم سے بہتر لوگوں نے بھی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے"۔ لوگوں نے امام ابن سیرین سے پوچھا "قلب سلیم کسے کہتے ہیں"؟ فرمایا "قلب سلیم وہ ہے جس میں حیاء اور ایمان ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ اللہ حق ہے، قیامت برحق ہے اور مرنے کے بعد اٹھایا جانا ہے"۔

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں۔

"میں نے ابوسفیان الدارانی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت حسنؒ بصری جب اپنی مجلس میں حجاج کا ذکر کرتے تو اسے بددعا دیتے، ایک رات آپ نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا، کیا تو حجاج ہے؟ وہ بولا، "جی ہاں میں حجاج ہوں"۔ آپ نے دریافت کیا کہ "اللہ نے تیرے ساتھ کیا کیا"؟ کہا "میں نے جتنے بھی آدمی قتل کئے تھے۔ سب کے بدلے میں بار بار قتل کیا گیا پھر اللہ نے مجھے موحدین کے گروہ میں شامل کر دیا۔" اس خواب کے بعد حضرت حسنؒ نے اسے برا بھلا کہنا چھوڑ دیا۔"

واللہ اعلم۔

یہاں تک تاریخ ابن کثیر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

سلطان مراد رابع

غازی سلطان مراد رابع بن سلطان احمد بن سلطان محمد ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوا بعض روائتوں میں ہے کہ وہ ۱۰۱۲ھ میں پیدا ہوا۔ علماء و وزراء نے متفقہ طور پر اتوار کے دن ۱۴ ذی القعد ۱۰۳۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اس وقت اس کی عمر گیارہ سال اور سات ماہ تھی، بعض مورخین نے چودہ سال عمر بتائی ہے۔ سلاطین آل عثمان کا وہ سترھواں بادشاہ تھا۔ بڑا بہادر، قوی اور صاحب ہمت تھا، فاتح بغداد اس کا لقب تھا۔ اس نے اہل ایران سے لڑائیاں لڑیں۔ کیونکہ شاہ عباس نے آل عباس کے بہت سے ممالک پر قبضہ کر لیا تھا اور بغداد بھی ان سے چھین لیا تھا۔ سلطان مراد نے ایک بھاری لشکر اس کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور بہ نفس نفیس اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ یہ واقعہ ۱۰۴۴ کا ہے، اس نے بلاد عجم کو فتح کیا اور ۱۰۴۸ھ میں بغداد کی طرف روانہ ہوا، چالیس دن بغداد کا محاصرہ کرنے کے بعد اس کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا، سلطان بھی لشکر کے ساتھ داخل ہوا اور تیس ہزار عجمی قتل کئے اور ان کے اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قید کیا، مراد کے اس حملے سے اہل عجم کی طاقت ٹوٹ گئی اور اسے بہت ضعف پہنچا۔

سلطان مراد، اہل حرمین پر بہت مہربانی کی نظر رکھتا تھا۔ اس نے مصر اور دوسرے شہروں کو حکم دے رکھا تھا کہ اہل حرمین کے لئے ان کے اوقاف وغیرہ سے غلہ پہنچاتے رہیں۔ وہ رعیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتا تھا اور حکام کا بھی ۱۰۳۹ھ میں سلطان مراد کے زمانہ حکومت میں مکہ میں بڑا بھاری سیلاب آیا، سیلاب کا پانی حرم میں داخل ہو گیا اور خانہ کعبہ منہدم ہو گیا تو سلطان مراد نے اس کی تعمیر کی۔ یہ اس کا بڑا بھاری کارنامہ تھا۔ مراد نے تمام قہوہ خانے بند کرا دیئے تھے۔ تمباکو پینا اور نسوار سونگھنا بھی جرم قرار دے دیا تھا۔

مراد بڑا بہادر صاحب ہمت اور قوی تھا، اس نے مصر کو ایک سپر بھیجا جس میں گیارہ تہیں تھیں اس کے اندر ایک لکڑی داخل کی اور کہا جو کوئی اسے نکال دے گا اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے گا تو کوئی بھی اسے نہ نکال سکا، پھر اس نے مصر کی جانب ایک کمان بھیجی اور فوجیوں سے کہا کہ اسے چلہ چڑھائیں مگر کوئی بھی اسے چلہ نہ چڑھا سکا پھر وہ ڈھال مصر میں شاہی قلعہ پر لٹکا دی گئی اور کمان باب زویلہ پر لگا دی گئی۔

۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد کی وفات ہوئی، اس وقت اس کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ وفات کے وقت اکتیس سال کا تھا، سترہ سال خلیفہ رہا، اپنے باپ سلطان احمد خاں کے مزار میں دفن ہوا۔

اختلاف تعمیرات

۱۰۴۰ھ تک خانہ کعبہ کی تعمیر گیارہ بار ہو چکی ہے۔ اتنے طویل عرصہ میں اتنی تھوڑی بار خانہ کعبہ کا محتاج تعمیر ہونا جائے تعجب ہے، گو تعمیرات میں اختلاف ہوتا رہا مگر ابراہیمی بنیادوں ہی پر خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی، ہاں کبھی کبھی لمبائی، چوڑائی یا اونچائی میں کمی زیادتی ہوگئی۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اہل قریش کی بناء کو اکھاڑ کر خانہ کعبہ کی اس طرح تعمیر کی جیسی کہ رسولؐ اللہ صلعم چاہتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر ایک سیڑھی بنوائی اور اونچائی ستائیس گز رکھی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق کعبہ کی تعمیر کی۔

ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

”جس دن ابن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کو منہدم کیا تو اس کی اونچائی اٹھارہ ہاتھ تھی، جب ابن زبیرؓ اٹھارہ ہاتھ اونچائی رکھ چکے تو دیکھا کہ حجر کے شامل کرنے کی وجہ سے یہ اونچائی کم معلوم ہوتی ہے لہٰذا نو ہاتھ اور دیواریں اونچی کرا دیں“۔

ابن زبیرؓ کی تعمیر نہایت موزوں تھی اور اساس ابراہیمی پر قائم تھی۔ اس قسم کی

زیادتی میں کیا ہرج تھا۔ جب ابن زبیرؓ شہید کر دیئے گئے تو حجاج بن یوسف نے عبد الملک سے اجازت طلب کی کہ تعمیر حسب سابق ہو جائے۔ عبد الملک نے اجازت دے دی مگر جب عبد الملک کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ابن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق تعمیر کرائی تھی تو وہ بہت نادم ہوا، بہرحال موجودہ تعمیر بنائے ابراہیمیؑ پر قائم ہے گو طرز تعمیر میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ اگر مرمت طلب ہو جائے تو اس کو یونہی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جب حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے زمانے میں بیت اللہ قابل مرمت ہو گیا تو آپ نے علماء و اشراف کو جمع کیا، بعض نے تعمیر کی مخالفت کی اور بعض نے تائید کی، عبد اللہ بن عباس نے کہا تعمیر مت کرو، مرمت کرا دو، انہوں نے تعمیر کی سخت مخالفت کی مگر ابن زبیرؓ نہ مانے۔

جب ابن زبیرؓ نے گرانے کا ارادہ کر لیا تو تمام لوگ ڈر کے مارے منیٰ چلے گئے اور عبداللہ بن عباس بھی مکہ سے باہر چلے گئے جب ابن زبیرؓ نے ساری تعمیر گرا دی تو عبد اللہ بن عباس نے کہا لوگوں کو بغیر قبلہ کے نہ چھوڑ، ارد گرد لکڑیاں لگوا دے تاکہ لوگ طواف کر سکیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

ہارون الرشید یا مہدی یا منصور نے ابن زبیرؓ کی تعمیر کے مطابق تعمیر کرانی چاہی مگر حضرت امام مالک نے منع کر دیا کہ خانہ کعبہ کو بادشاہوں کے لئے کھیل نہ بنائیے۔

سلطان احمد بن سلطان محمد بن مراد بن سلیم نے بھی از سر نو تعمیر کعبہ کرانے کا ارادہ کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ ایک اینٹ پر سونا چڑھا ہوا ہو اور دوسری پر چاندی مگر

علماء نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا، لہٰذا اس نے ٹوٹی ہوئی دیوار پر پیتل کا گھیرا لگوا دیا یہ واقعہ ۱۰۲۰ھ کا ہے اس سلسلہ میں اس نے اسی ہزار دینار خرچ کیے۔

اگر خانہ کعبہ کی تعمیر میں کسی قسم کا خلل واقع ہو جائے تو اس کی مرمت ضروری ہے اور اس کی تعمیر میں لکڑی، پتھر، کوئلہ، مٹی، لوہا اور سیمنٹ وغیرہ لگا سکتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے اہل قریش سے کہا تھا "تم خانہ کعبہ کو گرانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ کیا تمہارا ارادہ اس کی اصلاح کا نہیں ہے؟" انہوں نے کہا "کیوں نہیں" ابن مغیرہ بولا تو پھر کیوں ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا"۔ پھر ولید بن مغیرہ پھاوڑا لے کر خانہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اور گرانے لگا یہ دیکھ کر قریش بھی ساتھ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ اپنے گھر کو شکست و ریخت سے محفوظ رکھتا مگر اس نے خانہ کعبہ کو وہ تقدس و ہیبت عطا کی ہے کہ دنیا کے لوگ وہاں آتے ہیں اور روتے پیٹتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اور عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔

رسولؐ اللہ جب کبھی خانہ کعبہ کو دیکھتے تو فرمایا کرتے "اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ شرف و بزرگی عطا فرما اور جو کوئی اس کی زیارت کرے اسے بھی شرف و بزرگی اور نیکی عطا فرما"۔

جب حضرت عمرؓ بیت اللہ کو دیکھتے تو فرماتے "اللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا با السلام"۔ اے اللہ تو سلام ہے، تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ"۔

ازرقی نے اپنی تاریخ میں عطاء بن عباس سے روایت درج کی ہے کہ رسول

اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس گھر پر ہر شب و روز میں ۱۲۰ رحمتیں نازل کرتا ہے۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے چالیس نمازیوں کے لئے اور بیس دیکھنے والوں کے لئے"۔

ازرقی نے حضرت عطاء سے ایک روایت درج کی ہے "عطاء نے کہا ہے کہ میں نے ابن عباس سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ کی طرف دیکھنا ایمان خالص ہے"۔

عماد بن ابی مسلمہ سے روایت ہے کہ "خانہ کعبہ کی طرف دیکھنے والا اور دوسرے شہروں کا نمازی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں"۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا "جس کسی نے بیت اللہ کا طواف کیا، اللہ اسے ہر قدم کے عوض ایک نیکی دیتے ہیں اور ایک برائی اس سے مٹا دیتے ہیں"۔

مجاہد سے روایت ہے کہ "رکن اور در کعبہ کے درمیان ایک مقام ملتزم کہلاتا ہے جو کوئی بھی وہاں کھڑے ہو کر دعا کرے گا اللہ اس کی دعا کو قبول کرے گا"۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

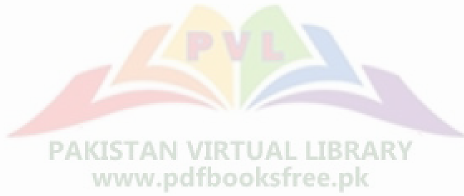
"جس شخص نے خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعا کی اللہ اس کی دعا قبول کرے گا"۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ اگرچہ صرف ایک بار بوسہ دیا ہو؟ فرمایا خواہ پل جھپکنے کے برابر ہی اسے کیوں نہ موقعہ ملا ہو"۔

حضرت عمرؓو بن شعیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کے ساتھ طواف کیا جب ہم کعبہ کی پشت پر پہنچے تو میں نے کہا "کیا آپ اعوذ باللہ نہیں پڑھتے؟" انہوں نے کہا "اعوذ باللہ من النار، پھر آپ آگے بڑھے۔

حتیٰ کہ حجر اسود کو بوسہ دیا پھر رکن اور باب کے درمیان کھڑے ہوئے پھر اپنا سینہ، چہرہ، بازو اور ہتھیلیاں پھیلا دیں اور فرمایا میں نے رسولؐ اللہ کو اس طرح کرتے دیکھا"۔

مجاہد کہتے ہیں کہ "اپنے رخساروں کو خانہ کعبہ سے ملا دو مگر پیشانی اس پر نہ دھرو"۔



بقائے خانہ کعبہ

غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے کہ برس ہا برس سے باقی ہے اور قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے "خانہ کعبہ کو حبشہ کا ذوالسویقتین برباد کرے گا اور اس کے پردے اتار دے گا گویا میں اسے پھاوڑا چلاتے دیکھ رہا ہوں"۔

ازرقی نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث درج کی ہے کہ آپ نے فرمایا خانہ کعبہ کی بے حرمتی خود حرم والے ہی کریں گے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو عرب ہلاک ہو جائیں گے اور حبشی آکر اسے برباد کر دیں گے اور اس کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں گے"۔

عجیب بات یہ ہے کہ تاریخ میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ کسی بھی بادشاہ یا کسی بھی شخص نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ خانہ کعبہ میری ملکیت ہے یا میرے باپ دادا کی ملکیت ہے بلکہ عرب کے مشرکین اور بت پرست بھی اسے بیت اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

بھلا یہ کس کی مجال جو ایک ایسا گھر تعمیر کرے جو ابتدائی دنیا سے لے کر اختتام

دنیا تک رہے، بعض لوگوں نے ایسے مقامات بنائے بھی مگر وہ عبادت گاہیں بھی گر گئیں اور وہ خود بھی برباد ہو گئے۔ ابرہہ نے صنعائے یمن میں اس قسم کی ایک عظیم الشان عمارت بنائی تھی۔ جس کا نام قلیس تھا۔ یہ تعمیر ساٹھ گز بلند تھی اور اس پر زر کثیر صرف کیا تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ بجائے مکہ کے یہاں حج کرنے آیا کریں مگر دو عرب آئے اور اس میں پاخانہ پھر گئے لہٰذا برہہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا میں خانہ کعبہ کو گرا کر ہی دم لوں گا چنانچہ وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا اور ہلاک ہوا۔ سورۂ فیل میں یہ واقعہ درج ہے۔

عباس بن ربیع حارثی نے جو کہ ابو جعفر منصور کا یمن میں گورنر تھا قلیس کو گروادیا تو یہاں سے بہت کچھ دولت ہاتھ آئی۔ ازرقی نے قلیس اور ابراہہ کے قصے کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

شیخ عبد اللہ بن محمد الغازی الہندی نے اپنی کتاب افادۃ الانام میں لکھا ہے:

> "خالد بن برمک کے اجداد میں سے کسی نے خانہ کعبہ کے مقابلے پر ایک معبد تعمیر کرایا اور اس کے اردگرد تین سو ساٹھ خادموں کے حجرے بنوائے وہ اور اس کی مملکت کے آدمی یہاں حج کرنے کے لئے آتے۔ ظالم بن اسعد نے بھی بنو غطفان کے لئے کعبہ کے مقابلہ میں ایک عبادت گاہ بنوائی تھی مگر زہیر بن خباب کلبی نے اسے گرا دیا اور ظالم کو قتل کر دیا"۔

خزانہ خانہ کعبہ

جب حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو خانہ کعبہ کی داخلی جانب میں داہنے ہاتھ پر ایک گہرا گڑھا کنوئیں کی مانند بنایا۔ اس کی گہرائی تین گز تھی، اس میں سونا، چاندی، زیورات اور خوشبو وغیرہ ڈالی جاتی تھی۔

اسی گڑھے کو خزانہ خانہ کعبہ کہتے ہیں، جب، غبغب اور اخسف بھی اسی کو کہتے ہیں کعبہ کے مال کو ابرق کہتے تھے۔

جب قریش نے بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل اس کی تعمیر کی تو اس غار کو بحالہ باقی رکھا اور اس پر ہبل بت کھڑا کر دیا۔ یہ قریش کا سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی اسے (ہیت) سرزمین جزیرہ سے لایا تھا اور اس گڑھے پر اسے قائم کر دیا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کی عبادت کرو۔ یہ واقعہ قریشی تعمیر سے قبل کا ہے۔ جب قریش نے تعمیر کی تو اس بت کو حسب دستور اس کے مقام پر رکھ دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی مورخ ابن زبیرؓ کی تعمیر میں اس غار کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ نہ حجاج کی تعمیر میں اس کا ذکر ہے کہ آیا انہوں نے اسے باقی رکھا یا بند کر دیا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غار حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کے وقت بند کر دیا گیا۔ حجاج کی تعمیر میں بھی بند رہا اور اب تک ایسا ہی ہے کیونکہ خانہ کعبہ کی اندرونی زمین باہر کی زمین سے بلند ہے اور کعبہ کی چوکھٹ کے برابر بلند ہے، اندر حجاج کے دور کا پتھر کا فرش تھا۔ سب سے پہلے سنگ مرمر کا فرش ولید بن عبد الملک نے کرایا۔

جب یہ گڑھا بند کر دیا گیا تو یہ خزانہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ اس کے بعد کے ہدیے اسی کے گھر رکھے جانے لگے۔ یہ گھر مسجد حرام کے قریب تھا۔ جیسے آج کل باب السلام کہتے ہیں یہی باب بنی شیبہ تھا۔

کتب تاریخ سے ہم نے مندرجہ ذیل باتوں کا انکشاف کیا ہے:

۱۔ جب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کا ارادہ کیا تو خزانہ خانہ کعبہ کو نکال کر شیبہ بن عثمان کے گھر میں رکھ دیا۔

۲۔ جب تبت کا ایک راجہ اسلام لایا تو اس نے اپنا وہ بت جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا خانہ کعبہ کو بطور ہدیہ بھیج دیا۔ یہ بت خالص سونے کا تھا، جواہر ویاقوت کا تاج اس کے سر پر دھرا تھا اور وہ چاندی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ جب یہ سب چیزیں مکہ پہنچیں تو ہاں تین دن تک عام نمائش کے لئے اسے رکھ دیا گیا۔ پھر متولی کعبہ کو دے دیا گیا۔ انہوں نے شیبہ بن عثمان کے گھر میں خزانہ خانہ کعبہ میں ڈال دیا۔ کتاب کے آخر میں ہم اس قصے کو بیان کریں گے۔

۳۔ محمد بن جعفر بن محمد نے خانہ کعبہ کے مجاوروں سے پانچ ہزار دینار ادھار لئے تاکہ ابن مقنع کے فتنہ کا قلع قمع کریں، یہ قرض امیر المومنین مامون

الرشید نے ادا کیا۔ مجاوروں نے یہ دینار وصول کر کے خزانہ کعبہ میں داخل کر دیئے۔

۴۔ بنو عبد الدار بن قصی بن کلاب، دارالندوہ کے مالک تھے اور شیبہ بن عثمان کا گھر دارالندوہ کے برابر تھا۔ خزانہ کعبہ اسی گھر میں تھا۔

الغرض خزانہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے کعبہ کے غار میں تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اسے بند کر دیا اور خزانہ کو شیبہ بن عثمان کے گھر منتقل کر دیا۔ لہٰذا خانہ کعبہ کے تحفے وہیں محفوظ کیئے جانے لگے۔

آج کل خانہ کعبہ کا نہ کوئی خزانہ ہے نہ مال۔ صرف وہ ہدیئے جو اس کی چھت سے متعلق ہیں باقی ہیں، ایک طویل مدت سے ہم نے ابھی نہیں سنا کہ کسی نے خانہ کعبہ کو کوئی ہدیہ بھیجا ہو۔ ہمارے خیال میں سب سے آخری ہدیہ ۱۰۹۴ھ میں آیا تھا۔ یہ پانچ قندیل تھے جو چھت میں معلق کر دیئے گئے۔

خانہ کعبہ اور مسجد حرام

امیر الشعراء احمد شوقی بک التوفی ۱۳۵۱ھ اپنی کتاب اسواق الذہب میں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی توصیف میں رقم طراز ہیں۔

عظیم القدر صحن، منزل مسافرین و غرباو امراء، حرم الٰہی، بیت عتیق، قبلۂ عالم و کعبۂ مومنین جس کی طرف تمام مساجد عالم دیکھ رہی ہیں اور دور دور سے لوگ یہاں حج کرنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس گھر کی بنیاد مکہ شریف میں رکھی جو ایک وادیٔ غیر ذی زرع تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ شرور و فتین سے محفوظ رکھا۔

اگر اللہ چاہتا تو اپنا گھر مصر میں دریائے نیل کے کنارے بنا دیتا۔ جہاں کا ہر قطعہ ایک باغ ہے اور اگر چاہتا تو بیت اللہ شام میں بنا دیتا جہاں جاری نہریں، دراز سائے سرسبز ٹیلے، شاداب شاخیں اور پھلوں کے گچھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو خانہ کعبہ کی بنیاد ایسے شہروں میں رکھتا جہاں بڑے بڑے بادشاہ ہو گزرے ہیں اور جہاں بڑے بڑے قلعے اور محلات ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ اُم القریٰ کی طرف دیکھا تو اس میں خشوع و خضوع پایا جو ایمان کے شایانِ شان ہے اور سکون و خلوت کے لئے موزوں ہے لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کو

حکم دیا کہ اس وادی میں واحدانیت کی تعمیر کریں۔

یہ وہ بنیاد ہے جو طاقت اور ضعف، بڑھاپے اور جوانی اور ابوت و نبوت کی جامع ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں مل کر جدوجہد کر رہے تھے، دیکھو باطل کی کیسی کیسی مضبوط بنیادیں ٹوٹ گئیں۔ مگر توحید کی اینٹوں نے زمانے کو فنا کر دیا اور وہ اسی طرح باقی ہیں۔

اس گھر کے پردے جلال خداوندی سے بنائے گئے تھے۔ اس کی دیواریں حقانیت سے تعمیر ہوئی تھیں، اس کے معمار انبیاء تھے اور اس گھر کا محافظ اللہ ہے۔

اس مقدس گھر کی روشنی تمام مکہ میں پھیل گئی اور مکہ ایک ایسی روشنی سے جگمگا اٹھا جو نور شمس قمر سے بھی زیادہ تیز اور روشن تھی جہاں وہ جلالت و نظافت ہے جو آج تک کسی گھر کو میسر نہیں آسکی۔

بے عقل کہتے ہیں ''کاش خانہ کعبہ سونے یا چاندی کا ہوتا، یا ایسا عظیم الشان ہوتا جیسے یورپ کے گرجے''۔ میں کہتا ہوں ''ارے بیوقوفو! اگر خانہ کعبہ اس کی ابتدائی شان پر تحویل کر دیا جائے کہ نہ اس میں جھاڑ، فانوس ہوں نہ کہیں سونا چاندی لگا ہو تو وہ اس سادگی کے ساتھ اور زیادہ معظم و مشرف اور روحانیت سے بھرپور معلوم ہوگا۔

حوادثات

وہ حوادثات جو کعبہ میں رونما ہوئے درج ذیل ہیں۔

طبری اپنی کتاب "بقری فی مقاصدام القریٰ" کے ۳۵ ویں باب میں لکھتا ہے کہ حکیم بن حزام خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے ان کے علاوہ اور کوئی بچہ خانہ کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ عام الفیل سے بارہ یا تیرہ سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ ان کا انتقال مدینہ میں حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانے میں ۵۴ھ میں ہوا، ایک سو بیس سال عمر پائی، ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ ہے۔ عام الفتح میں اسلام لائے۔

کہتے ہیں کہ جب وہ حج کرنے کے لئے آئے تو انہوں نے ایک سو اونٹ قربانی کے لئے بھیج دیئے جن پر یمنی چادریں پڑی تھیں اور ہزار بکریاں بھیجیں اور ایک سو غلام بھیجے جن کی گردنوں میں چاندی کے بلے پڑے ہوئے تھے اور یہ عبارت لکھی تھی "حکیم بن حزام کی طرف سے راہ خدا میں آزاد کیے گئے"۔

امام مرزوقی نے اپنی تاریخ میں عبد اللہ بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے کہ فاختہ بنت زہیر بن الحارث بن اسد بن عبد العزیٰ (حکیم بن حزام کی والدہ)

کعبہ میں داخل ہوئی وہ پورے دنوں تھی وہاں اسے دردِ زہ ہونے لگا تو حکیم پیدا ہوئے، کعبہ کے اندر چمڑا بچھا دیا گیا اور حکیم کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا۔

امام ازرقی اپنی تاریخ کے حصہ اول میں غار کعبہ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ کعبہ کے اندرونی حصے میں داہنے ہاتھ پر ایک گہرا غار تھا جسے حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ اور حضرت اسماعیلؑ نے کھودا تھا، اس غار میں چڑھاوے رکھ دیئے جاتے تھے جو زیورات، سونے، چاندی، اور خوشبوؤں پر مشتمل ہوتے تھے۔ خانہ کعبہ کے چھت نہ تھی، جرہم کے زمانے میں خزانہ خانہ کعبہ میں یکے بعد دیگرے چوری ہوئی تو اس پر چھت ڈال دی گئی۔

جرہم نے ایک شخص کو اس خزانے کی حفاظت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایک دن اس کی نیت بگڑ گئی، جب دوپہر کا وقت ہو گیا، سائے سکڑ گئے، لوگ اٹھ گئے اور راستے بند ہو گئے تو اس نے اپنی چادر پھیلائی اور جو کچھ اس گڑھے میں تھا نکال کر اپنی چادر میں باندھ لیا تو وہ غار ہی میں پھنسا رہ گیا، جب شام ہوئی تو لوگوں نے اسے نکالا اور جو کچھ اس نے چادر میں باندھا تھا اس میں ڈال دیا۔ اس دن سے اس غار کو الخسف کہنے لگے کیونکہ وہ شخص اس غار میں دھنس گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ پھر اس غار میں ایک سانپ رہنے لگا جو تقریباً پانسو سال تک اس میں رہا، اگر کوئی اس غار میں داخل ہوتا تو وہ حملہ کرتا۔ لہٰذا کوئی بھی غار میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرتا، بسا اوقات یہ سانپ دیوار کعبہ پر بھی آ جاتا جرہم، خزاعہ اور ابتدائے عہد قریش میں یہ سانپ گڑھے کے اندر رہا حتیٰ کہ قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کی۔ اس تعمیر میں رسول اللہؐ شریک تھے مگر ابھی بچے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک باز آیا اور اس سانپ کو اٹھا کر لے گیا"۔

ازرقی نے اپنی تاریخ کے پہلے حصے میں لکھا ہے:

"حویطب بن عبد العزیٰ سے روایت ہے کہ کعبہ میں لگام جیسے حلقے کئے ہوئے تھے اگر کوئی شخص انہیں پکڑ لیتا تو پھر اُسے کوئی کچھ نہ کہتا، ایک خائف انسان آیا اور اس نے ایک حلقہ کو پکڑنا چاہا تو ایک شخص نے اس شخص کو پیچھے سے کھینچ لیا، اسی وقت وہ شخص لنجا ہو گیا۔ زمانہ اسلام میں بھی اسے میں نے لنجا دیکھا ہے"۔

الجامع اللطیف میں ابن ظہیرۃ القرشی نے لکھا ہے، "عبد اللہ بن عمرو بن العاص، مسجد حرام میں قریشیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ سائے زائل ہو چکے تھے کہ اچانک بنوشیبہ کے گھر سے ایک چمک دار سانپ نکلا۔ وہ رکن یمانی پر آیا اسے بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے۔ پھر مقام ابراہیمؑ میں گیا اور وہاں دو رکعت پڑھیں، حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا "جاؤ اس سے کہہ دو کہیں تجھے کوئی مار نہ ڈالے"۔ چنانچہ ایک شخص گیا اس سے کہا تو اس نے سر جھکا لیا پھر وہ آسمان کی طرف اڑتا چلا گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔

اسی کتاب میں ہے۔

کہ دور جاہلیت میں دو پرند جو شتر مرغ کے برابر تھے آئے اور خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے قریش انہیں کھلاتے پلاتے، جب لوگ طواف کر چکتے تو وہ طواف کرتے اور جب لوگ آجاتے تو وہ دیوار خانہ کعبہ پر بیٹھ جاتے۔ ایک ماہ تک وہ اسی طرح کرتے رہے پھر یہاں سے چلے گئے۔

اسی کتاب میں ہے

کہ ایک پرند جیاد الصغیر کی طرف سے آیا اس کے کچھ پر سیاہ اور کچھ سرخ تھے۔اس کی پنڈلیاں پتلی اور گردن دراز تھی، چونچ ایسی لمبی تھی جیسی کہ سمندر کے پرندوں کی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ سنیچر کے دن ۱۷ ذی القعد ۲۲۶ھ میں طلوع آفتاب کے وقت ہوا۔ بہت سے لوگ طواف کر رہے تھے، یہ پرند زمزم کے چراغ کے قریب آیا پھر رکن اسود کے پاس گیا پھر خانہ کعبہ کی طرف اڑا اور ایک خراسانی حاجی کے کندھے پر بیٹھ گیا۔ وہ حاجی کئی ہفتے خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا اور روتا رہا، لوگ اس کے قریب آتے، اس پرندکو دیکھتے اور تعجب کرتے ۔ وہ پرند لوگوں سے کسی قسم کی وحشت محسوس نہیں کرتا تھا پھر وہ ایک دن مقام ابراہیمؑ کے پاس جا پڑا۔ وہاں اسے ایک نوجوان نے پکڑ لیا تو وہ اس طرح چیخا کہ تمام لوگ ڈر گئے۔نوجوان نے اسے چھوڑ دیا تووہ دارالندوہ کی طرف سے نکل کر بھاگ گیا۔

اسی کتاب میں مذکورہ ہے کہ یہ گھر ہمیشہ سے کسی وقت بھی طواف کرنے والوں سے خالی نہیں رہا۔ ایک بزرگ سے روایت ہے کہ ایک دوپہر میں سخت لوچل رہی تھی اور بڑی سخت گرمی تھی میں نے دل میں کہا چلو دیکھو اس وقت کون طواف کر رہا ہے۔ دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ میں خانہ کعبہ کے قریب گیا تو دیکھا کہ ایک سانپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے ۔

اسی کتاب میں ہے کہ جس دن حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے اس دن خانہ کعبہ میں طواف کرنے والا کوئی نہ تھا، صرف ایک اونٹ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔

کتاب افادۃ الانام مصنفہ عبد اللہ الغازی الہندی کی پہلی جلد میں مذکور ہے کہ

علامہ قطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک اونٹ والے کا اونٹ بھاگ گیا، اونٹ والا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیتا تھا۔ یہ اونٹ حرم میں داخل ہوا اور طواف کرنے لگا، لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا مگر کوئی اسے نہ پکڑ سکا حتیٰ کہ اس نے سات پھیرے مکمل کر لئے، پھر وہ حجر اسود کے پاس آیا پھر میزاب کے سامنے آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہاں وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ لوگوں نے اسے اٹھا کر صفا و مروہ کے درمیان دفن کر دیا۔

تاریخ ازرقی میں مذکورہ ہے کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا طواف بے جامہ ہو کر کیا کرتے تھے صرف حمس کپڑے پہن کر کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ ایک عورت جو بڑی خوبصورت تھی بے جامہ طواف کر رہی تھی۔ ایک شخص بھی اس کے ساتھ ساتھ طواف کرنے لگا طواف میں ان دونوں نے بازو سے بازو مس کیا تو دونوں کے بازو ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے۔ وہ وہاں سے بھاگے مسجد حرام کے باہر ایک بوڑھا قریشی ملا۔ اس نے واقعہ پوچھا۔ انہوں نے سچ سچ کہہ سنایا تو اس نے کہا جاؤ پھر اسی مقام پر جاؤ اور خلوص کے ساتھ دعا کرو چنانچہ وہ گئے اور خوب گڑگڑائے تو دونوں الگ الگ ہو گئے اور انہوں نے اپنی راہ لی۔

افادۃ الانام میں غازی لکھتا ہے۔

ابن فہد سے مروی ہے کہ ۵۷۱ھ میں اژدہام کی وجہ سے چونتیس آدمی مرے اور ۸۸۱ھ میں پچیس آدمی مرے۔

۷ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں ابو طاہر القرمطی مکہ آیا اس نے اور اس کے دوستوں نے حرم میں بہت برے برے کام کئے۔ مثلاً ایک تو یہ کہ اس نے خانہ کعبہ کا پرنالہ

اکھڑوانا چاہا جو سونے کا بنا ہوا تھا چنانچہ اس کا ایک دوست چڑھا تاکہ پرنالے کو اکھاڑ لائے تو اس کے سر میں ایک تیر لگا اور وہیں مر گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ سر کے بل گرا اور مر گیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ''ان الصفا و المروۃ من شعائر اللّٰہ'' کی تفسیر کے سلسلہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے سیرت میں ذکر کیا ہے کہ اساف و نائلہ دو مرد و زن تھے وہ خانہ کعبہ کے اندر غیر اخلاقی حرکات کے مرتکب ہوئے (نعوذ باللہ) تو وہ دونوں پتھر کے بن گئے۔ قریش نے انہیں عبرت کے لئے خانہ کعبہ کے سامنے گاڑ دیا۔ جب عرصہ دراز گزر گیا انہیں صفا و مروہ پر کھڑا کر دیا گیا تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے والے ان دونوں کو بوسہ دینے لگے۔

امام ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ''جب قبیلہ جرہم نے بغاوت کی تو ان میں سے ایک عورت اور ایک مرد خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ وہاں دونوں غیر اخلاقی حرکتوں کے مرتکب پائے گئے۔ بعض روائتوں میں ہے کہ اس شخص نے اسے بوسہ دیا تھا تو وہ دونوں پتھر کے ہو گئے۔ مرد کا نام اساف بن بغاء اور عورت کا نام نائلہ بنت ذئب تھا۔ لوگوں نے انہیں خانہ کعبہ کے اندر سے نکالا اور ایک کو خانہ کعبہ کے پاس اور دوسرے کو زم زم کے پاس کھڑا کر دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ پھر جو مجسمہ کعبہ کے پاس کھڑا تھا۔ اسے بھی زم زم کے پاس لے آئے یہاں وہ قربانی کیا کرتے اور انہیں قربانی کا خون مَلا کرتے۔ جب طواف کرنے والا طواف کرتا تو اساف سے ابتداء کر اور اسے بوسہ دیتا اور جب طواف سے فارغ ہوتا تو نائلہ پر طواف ختم کرتا اور اسے بوسہ دیتا، فتح مکہ کے دن رسول اللہ نے بقیہ بتوں کے ساتھ

انہیں بھی توڑ دیا۔

بعض روائتوں میں ہے کہ جب وہ دونوں خانہ کعبہ سے نکالے گئے تو عبرت کے لئے ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر رکھ دیا گیا۔ پھر زمانہ گزرنے پر لوگ انہیں بوسہ دینے لگے۔ پھر پوجنے لگے۔ جب خانہ کعبہ کے متولی قصی بن کلاب ہوئے تو انہوں نے ان دونوں کو کعبہ اور زم زم کے پاس لاکر رکھ دیا۔ بعض روائتوں میں ہے کہ دونوں کو زمزم کے پاس لاکر رکھ دیا، کہتے ہیں مرد کا نام اساف بن عمرو تھا اور عورت کا نائلہ بنت سہیل جرہمی تھا۔

غازی نے ابن فہد سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ بروز جمعہ ۲ ذی الحجہ ۸۴۵ھ میں طواف میں کثرت اژدہام کی وجہ سے سات آدمی مر گئے۔

تاریخ خانہ کعبہ مصنف شیخ حسین باسلامہ میں حجر اسود سے متعلق جو حوادثات ہوئے ان کا ذکر آتا ہے؟ ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

۳۶۳ھ میں سخت گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔ کوئی دو تین آدمی طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص گودڑی پہنے آیا۔ وہ آہستہ آہستہ آرہا تھا، رکن اسود کے قریب آیا، پھاوڑا اس کے ہاتھ میں تھا وہ رکن اسود پر پھاوڑا بجانے لگا جونہی اس نے دوسری بار پھاوڑا اٹھایا تو ایک یمن کا باشندہ تھا جو طواف کر رہا تھا اس نے اس کے نیزہ مارا اور وہ وہیں گر پڑا، لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے اس کی نعش کو مسجد حرام سے باہر نکالا اور آگ لگا دی۔

۹۹۰ھ میں ایک عجمی خنجر بدست آیا اور اس نے حجر اسود پر حملہ کیا، امیر ناصر جاؤش اس وقت موجود تھا۔ اس نے اس عجمی کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا اور وہ مر

گیا۔

غازی نے لکھا ہے کہ والی مکہ شریف احمد بن محمد الحجازانی کو ایک ترکی نے اس کے بھائی کے اشارے سے قتل کر دیا اور اس کی لاش باہر پھینکوا دی۔ مرد اور عورتیں آتے اور اس کی بری حرکتوں کی بنا پر اسے گالیاں دیتے پھر اس کی لاش بغیر غسل و نماز کے دفن کر دی گئی۔

علی بن مالویہ طواف کر رہے تھے۔ لوگوں کی گردنیں اتاری جا رہی تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور طواف کرتے جاتے تھے۔

ترى المحبين صرعىٰ في ديار همو كفتية الكهف لايدرون كم لبثوا

ترجمہ: عاشقوں کو ان کے دیار میں پچھاڑا ہوا پاؤ گئے۔ جیسے اصحاب کہف کو پتا نہ تھا کہ وہ کتنے دنوں غار میں رہے۔

ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمی شہید کئے اور بعض روائتوں میں ہے کہ تیرہ ہزار مرد وزن کو شہید کیا اور چاہ زم زم کو ان سے بھر دیا۔

غازی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۱۰۸۳ھ میں اسحاق آفندی نے جو امرائے روم سے تھا، حج کرنے کا ارادہ کیا، وہ یہ چاہتا تھا کہ رات کے وقت خانہ کعبہ میں داخل ہو۔ چنانچہ عبد الواحد مجاور نے دروازہ کھولنا چاہا مگر تالا نہ کھلا تو لوہار کو بلایا اس کے ہاتھ کانپنے لگے تو شیخ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا آپ سنتے نہیں، دیکھئے اندر سے کوئی زور لگا رہا ہے، شیخ نے دیکھا تو واقعی اندر سے بڑی سختی کے ساتھ رکاوٹ ہو رہی تھی تو اس نے لوگوں سے کہا ”بھائیو! واپس جاؤ کیونکہ اس دروازے کا کھلنا اللہ کے اختیار میں ہے“۔

اسحاق بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔

ملک معظم عبد العزیز سعود پر ۱۳۵۳ھ میں طواف کرتے ہوئے ایک شخص نے خنجر سے حملہ کرنا چاہا، پولیس کا ایک آدمی اس کی طرف بڑھا اس نے پولیس والے کو مار گرایا تو دوسرا پولیس والا بڑھا اور وہ بھی مارا گیا۔ مجرم جلالۃ الملک کے قریب پہنچ چکا تھا کہ ولی عہد نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا کر گر پڑا۔ شاہ کے محافظ نے پستول سے اس کا کام تمام کر دیا تو دوسرا شخص خنجر بکف حملہ آور ہوا۔ ولی عہد کے بازو تک اس کا خنجر پہنچا ہی تھا کہ جلالۃ الملک کے محافظ نے پستول کی گولی سے اسے ہلاک کر دیا۔ ولی عہد کے خنجر سے معمولی سا خراش آیا، پھر ایک تیسرا شخص خنجر بکف نکلا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں ساتھی مارے گئے ہیں تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ فوجیوں نے اس پر گولیاں چلا دیں اور وہ بھی باب ابراہیمؑ کے قریب گر پڑا۔

پھر جلالۃ الملک نے طواف کے پھیرے پورے کئے اور سیدھے منیٰ پہنچے کہیں ایسا نہ ہو کہ حاجیوں کی جانیں محفوظ نہ رہیں خصوصاً اہل یمن کی، کیونکہ یہ مجرم یمنی زیدی تھے۔ اگر جلالۃ الملک اس وقت حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ ابن سعود کی شخصیت بڑی عجیب ہے کیونکہ آپ نے اپنے حسن تدبیر سے ہی اتنی بڑی سلطنت قائم کی اور اتنا اچھا انتظام قائم کر رکھا ہے۔

وہ کتبے جو خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے ہم ان کا مختصر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ معلقات سبع، یہ دور جاہلیت کے سات بڑے شعراء کے قصیدے تھے۔

۲۔ ۷ ھ نبوی میں قریش نے ایک معاہدہ اندرون کعبہ لٹکایا جو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے بائیکاٹ کے بارے میں تھا۔

۳۔ ہارون الرشید کی دستاویزات لٹکائی گئیں، جن میں سے ایک اپنے بیٹے امین کی ولی عہدی کے بارے میں تھی۔ اور دوسری اپنے دوسرے بیٹے مامون الرشید کی ولی عہدی کے بارے میں تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۶ھ کا ہے جبکہ ہارون الرشید حج کرنے کے لئے آیا تھا۔ جب امین الرشید کی خلافت قائم ہوئی تو یہ دونوں دستاویزات بغداد منگائی گئیں اور انہیں جلا دیا گیا۔

۴۔ ۲۶۱ ھ میں معتمد نے اپنے دونوں لڑکوں کی ولی عہدی کے بارے میں ایک اعلامیہ لٹکایا۔

۵۔ القائم بامراللہ خلیفہ عباسی کا استغاثہ بارگاہ خداوندی میں لٹکایا گیا جبکہ اسے ارسلان فساسیری نے نظر بند کر دیا تھا۔ قائم بامر اللہ ابن قادر باللہ ۴۶۷ھ میں مرا۔ اس کی وفات کے بعد یہ استغاثہ اتار دیا گیا۔

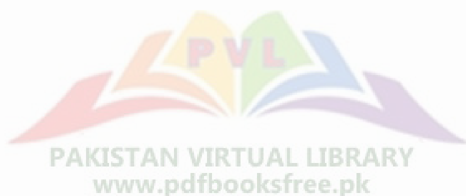
حدودِ حرم

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے حدودِ حرم کے پتھر گاڑے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ یہ حد بندی آپؑ نے حضرت جبریلؑ کی ہدایت کے مطابق کی۔

جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہؐ نے تمیم بن اسد الخزاعی کو بھیجا کہ وہ پُرانے پتھروں کی جگہ نئے پتھر لگا دیں۔ ابن عتبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبریلؑ کی زیرِنگرانی پتھر لگائے۔ یہ پتھر اسی طرح لگے رہے حتیٰ کہ قصی بن کلاب نے بدلے۔ پھر رسولؐ اللہ نے تبدیل کرائے پھر حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ان کی تجدید ہوئی۔ انہوں نے چار قریشی بھیجے جنہوں نے ان کی تجدید کی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے تجدید کرائی پھر حضرت معاویہ نے مکہ کے گورنر کو لکھا کہ ان کی جگہ نئے پتھر نصب کرا دیے جائیں، پھر جب عبدالملک بن مروان حج کے لیے آیا تو اس نے تجدید کرائی، پھر مہدی باللہ نے حج سے لوٹتے ہوئے تجدید کرائی پھر مقتدر باللہ العباسی نے ۳۲۵ھ میں نئے پتھر لگوائے، پھر راضی باللہ نے تنعیم کی جانب والے پتھر بدلوائے۔ ۶۱۶ھ میں امیر مظفر صاحب اربل نے عرفات کی سمت

والے پتھر تبدیل کرائے پھر الملک المظفر صاحب یمن نے ۶۸۳ھ اور سلطان احمد الاوّل بن العثمانی نے ۱۰۲۳ھ میں تبدیل کرائے۔

تاریخ ازرقی میں درج ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام حجر اسود کو لائے تھے تو وہ موتی کی طرح چمکتا تھا اور حرم اس سے منور ہو جاتا تھا، جب حضرت ابراہیم کو حضرت جبریلؑ نے حدودِ حرم دکھائے تو آپ وہاں نشان کے طور پر پتھر اور مٹی ڈالتے گئے۔ حضرت اسماعیلؑ کی بکریاں کبھی حرم کے حدود سے باہر نہ جاتی تھیں اگر حدود تک پہنچ جاتیں تو واپس آ جاتیں۔



مکہ دورِ جاہلیت میں

جب حضرت ابراہیمؑ مکہ میں آئے اور خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی تو مسجد حرام کے اردگرد کوئی چار دیواری نہ تھی، نہ یہاں کسی کا کوئی گھر تھا البتہ جرہم وغیرہ کے کچھ قبیلے مکہ کی گھاٹیوں کے اندر رہتے تھے۔ وہ لوگ خانہ کعبہ کے احترام کی وجہ سے وہاں مکان نہ بناتے تھے۔ جب قصی بن کلاب متولی ہوا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ خانہ کعبہ کے اردگرد اپنے مکان بناؤ کیونکہ اگر تم بیت اللہ کے پاس رہے تو لوگ تم سے ڈریں گے اور تمہارے قتل و قتال سے بچیں گے۔ سب سے پہلے اس نے دارالندوہ بنایا پھر بقیہ اطراف کو مختلف قبائلِ قریش میں تقسیم کر دیا۔ لہٰذا تمام قریشیوں نے خانہ کعبہ کے اردگرد مکان بنوا لیے اور سب نے اپنے دروازے حرم کی جانب رکھے۔ طواف کرنے والوں کے لیے بقدرِ مطاف جگہ چھوڑ دی اور ہر دو گھروں کے درمیان ایک راستہ بنایا جو مطاف کی طرف کھلتا تھا۔ ان لوگوں کے گھر خانہ کعبہ سے کم بلند تھے کیونکہ وہ خانہ کعبہ سے اونچا مکانوں کے بلند کرنے کو بے ادبی تصور کرتے تھے۔ شیبہ بن عثمان جب کبھی کسی گھر کو خانہ کعبہ سے بلند دیکھتا تو اُسے گرا دیتا۔ خانہ کعبہ کے تمام مجاوروں کا سلسلہ نسب اسی شیبہ تک پہنچتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جب مکہ آئے تو آپ نے خانہ کعبہ کے گرد ایک بلند عمارت دیکھی، حکم دیا کہ اسے گرا دیا جائے اور فرمایا تم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خانہ کعبہ سے اپنے گھر کو زیادہ بلند کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کو پہاڑی سلسلے سے گھیر دیا ہے جو شرقی، غربی اور جنوبی جانب سے سلسلہ وار احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ مکہ کے لیے مانند شہر پناہ کے ہے۔ کوئی بھی شمالی، جنوبی اور غربی دروازوں کے علاوہ کسی طرف سے داخل نہیں ہوسکتا۔

شمالی دروازہ معلّٰی کی سمت ہے۔ یہ طائف، نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں سے آنے والوں کا راستہ ہے، غربی دروازہ جو اس سمت ہے۔ جدھر سے اہلِ جدہ و مدینہ اور سمندری مسافر داخل ہوتے ہیں، جنوبی جانب مسفلہ کی سمت ہے جدھر سے اہلِ یمن آتے ہیں۔

انہی تینوں دروازوں سے ہمیشہ سے مکہ والوں کا رزق نازل ہوتا ہے جیسا کہ اس پتھر کی تحریر سے ظاہر ہے جو اہلِ قریش نے بنائے خانہ کعبہ کے وقت پایا تھا۔ جس پر کندہ تھا ''مکہ اللہ کا محترم شہر ہے اس کا رزق تین راہوں سے آتا ہے۔''

مکہ کی شہر پناہ

ہم سمجھتے تھے کہ مکہ کی کوئی شہر پناہ نہ تھی مگر غازی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ کتاب الاعلام میں درج ہے کہ مکہ زمانہ قدیم میں شہر پناہ کے اندر تھا۔ چنانچہ معلاۃ کی جانب میں ایک بڑی چوڑی دیوار تھی جو عبداللہ بن عمر کے پہاڑ کی طرف سے سامنے والے پہاڑ کی طرف جاتی تھی، اس دیوار میں لکڑی کا دروازہ تھا جس پر لوہا چڑھا ہوا تھا، ہندوستان کے ایک راجہ نے یہ دروازہ شاہ مکہ کو ہدیتاً بھیجا تھا، میں نے اس دیوار کا ایک ٹکڑا بچشم خود دیکھا ہے اس میں سیلاب نے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیے تھے۔

شبیکہ کی جانب بھی ایک دیوار تھی جو آمنے سامنے والے پہاڑوں کے درمیان تھی اور اس سے مکہ کے باہر کی طرف سڑک جاتی تھی اس دیوار میں دو دروازے تھے جس سے اونٹ وغیرہ آتے جاتے تھے پھر یہ رفتہ رفتہ گر گئے اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں۔ صرف دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک راہ آنے کی اور ایک جانے کی باقی رہ گئی ہے۔

ایک شہر پناہ مسفلہ کی جانب تھی جس کے آثار تک بھی ہم نے نہیں پائے۔

تقی فاسی نے ذکر کیا ہے کہ مکہ کے بالائی حصہ میں ایک اور شہر پناہ تھی یہ اس شہر پناہ کے علاوہ تھی جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ یہ شہر پناہ مسجد رایہ کے پاس تھی۔ اور جبل قرارہ کی جانب تھی جو سوق اللیل کے مقابل تھی۔ پہاڑ میں کچھ ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں مگر شہر پناہ کا پتا نہیں۔

تقی فاسی کہتا ہے پتا نہیں کہ یہ شہر پناہیں کب تعمیر ہوئیں اور کس نے تعمیر کیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ ابوعزیز قتادہ بن ادریس حسنی جو کہ اشراف مکہ سے تھا اس نے ان شہر پناہوں کو درست کیا اور اسی کے دور میں باب الشبیکہ کی دیوار بنی۔ یہ تعمیر الملک المظفر شاہِ اربل کی طرف سے ۶۰۷ھ میں ہوئی۔

افادۃ الانام کا مصنف کہتا ہے کہ منتخے میں لکھا ہے، وہ شہر پناہ جو معلّی کی جانب ہے اس کا دروازہ ۷۸۶ھ میں ہندوستان کے راجہ نے بنوایا پھر ایک زمانہ میں اس دروازے کو آگ لگ گئی اور یہ گر پڑا۔ معلاۃ کی جانب کی دیوار کے اور حصے بھی گر گئے، صورت یہ ہوئی کہ سیّد رمیثہ بن محمد بن عجلان کے لشکر نے اس کے چچا سیّد حسن کے لشکر کو روکنا چاہا کیونکہ وہ رمضان ۷۸۹ھ میں اس کی جگہ گورنر مقرر ہوا تھا۔ سیّد حسن کے لشکر نے چند مقامات سے دیوار کو توڑ دیا اور اسی دن دروازے کو آگ لگا دی۔ پھر اس کے حکم سے دیوار کی مرمت کرا دی گئی اور نیا دروازہ لگوا دیا گیا۔ یہ دروازہ سیّد حسن کے گھر کا تھا۔

مکہ چونکہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس لیے دیکھنے والوں کو اس کی آبادی تھوڑی معلوم ہوتی ہے حالانکہ مکہ کی آبادی بہت بڑی ہے لیکن درّوں کے اندر ہے یہی وجہ ہے کہ لاکھوں حاجی ہر سال ان کے گھروں میں سما جاتے ہیں۔

دورِ جاہلیت میں طواف

دور جاہلیت میں لوگ سات بار طواف کیا کرتے تھے اور طواف کرتے وقت خانہ کعبہ کو اپنی داہنی جانب رکھتے تھے اور حجر اسود کو آغاز و اختتامِ طواف پر چومتے تھے۔ جوتے بھی اندر نہیں لے جاتے تھے اور بغیر جامہ کے طواف کیا کرتے تھے۔

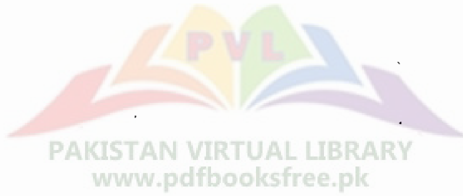
ازرقی نے حضرت ابن عباس کی روایت درج کی ہے کہ بنو عامر وغیرہ خانہ کعبہ کا طواف بے جامہ کیا کرتے تھے، مرد، دن میں اور عورتیں رات میں۔ جب کوئی شخص خانہ کعبہ کے دروازے پر آتا تو کہتا کوئی ہے جو غریب کو کپڑا دے، اگر کوئی احمسی اپنا کپڑا دے دیتا تو لے لیتا ورنہ اپنے کپڑے مسجد حرام کے دروازہ پر اتار کر رکھ دیتا اور سات چکر لگاتا۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے ہم ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں، پھر وہ آتا اور اپنے کپڑے پہن کر چل دیتا۔ البتہ احمسی لوگ کپڑے پہن کر ہی طواف کرتے تھے۔

حجر میں بیٹھنا

زمانہ جاہلیت میں حجر اور مطاف میں لوگ بیٹھا کرتے اور آپس میں باتیں کیا کرتے اور دارالندوہ میں صرف خصوصی اجلاس ہوا کرتا اس میں عام لوگ شریک نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ "میرے والد ماجد نے بیان کیا کہ عبدالمطلب بڑے لمبے قد والے اور حسین چہرہ والے تھے جو بھی انہیں دیکھ لیتا اُن سے محبت کرتا، حجر میں ان کے بیٹھنے کی ایک خاص جگہ تھی اس فرش پر ان کے سوا کوئی نہ بیٹھتا تھا۔ باقی لوگ اس کے اِردگرد بیٹھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ چھوٹے سے بچے تھے وہ آئے اور مسند پر بیٹھ گئے لوگوں نے آپ کو کھینچا تو آپ رونے لگے، عبدالمطلب نابینا ہو گئے تھے انہوں نے پوچھا "کیا بات ہے میرا پوتا کیوں روتا ہے؟" لوگوں نے کہا "آپ کی مسند پر بیٹھنا چاہتا تھا ہم نے اسے روک دیا۔" عبدالمطلب نے کہا "میرے پوتے کو کچھ نہ کہو کیونکہ مجھے توقع ہے کہ میرا پوتا اتنا بڑا مرتبہ حاصل کرے گا جو کسی عرب کو آج تک نصیب نہیں ہوا ہو گا۔" عبدالمطلب کا

انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آپ ان کے جنازے کے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب حجون میں دفن ہوئے۔



احترامِ مکہ

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مکہ کا احترام اللہ نے قائم کیا ہے، لوگوں نے قائم نہیں کیا، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس سرزمین میں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت کاٹے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس کے خلاف کیا تو کہہ دینا، کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تھوڑی سی دیر کے لیے اجازت دے دی تھی۔ پھر اس کا احترام اسی طرح لوٹ آیا، تمہارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، سنو حاضرین، غیر حاضروں کو پہنچا دیں۔"

قریش بیت اللہ اور حرم کا احترام کیا کرتے تھے۔ لوگ خانہ کعبہ کے پاس قسم کھانے سے بچتے تھے کہیں ان کے جان و مال پر اُدبار نہ پڑے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک قوم مکہ آئی جب مقام ذی طویٰ میں پہنچی تو احتراماً انہوں نے اپنے جوتے نکال لیے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حواریوں نے حج کیا تو وہ حرم کی تعظیم میں ننگے پاؤں چلے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا "اے لوگو! مکہ میں غلہ کی ذخیرہ اندوزی نہ

کرو کیونکہ مکہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا کفر ہے۔" آپ ہی کا قول ہے کہ اگر میں حرم میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو بھی پاتا تو جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جاتا میں اسے کچھ بھی نہ کہتا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر کے کجاوے پر پرند ٹوٹ پڑتے تو آپ اسے کچھ بھی نہ کہتے، البتہ حضرت عبداللہ بن عباس اڑانے کی اجازت دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے دو خیمے تھے، ایک حل میں تھا اور ایک حرم میں، جب کسی پر ناراض ہوتے تو حل میں ناراض ہوتے اور جب نماز ادا کرتے تو حرم میں ادا کرتے' لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "ہم سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ حرم میں کلا واللہ اور بلٰی واللہ کہنا زندقہ ہے۔ (ہرگز نہیں قسم بخدا۔ ہاں قسم بخدا)"

فضائلِ حرم

حرمِ مکہ کے بہت سے فضائل ہیں جو کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ جو لوگ وہاں آتے ہیں اُن سے مطالبہ ہوتا ہے کہ احرام باندھ کر آئیں۔

۲۔ کافر حرم میں نہ داخل ہو سکتا ہے نہ دفن کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ حرم میں شکار کھیلنا حرام ہے خواہ حرم کا باشندہ ہو یا باہر کا، محرم یا غیر محرم۔

۴۔ حرم کے درخت کا کاٹنا بھی منع ہے اور اس کے کاٹنے پر جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ اس کی مٹی یا پتھر کا حرم سے باہر لے جانا منع ہے۔

۶۔ قربانیوں یا جرمانوں کے طور پر قربانی وہیں ادا ہو سکتی ہے اس سے باہر نہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فضائل ہیں کہ اگر ہم ان کے بیان کے در پے ہوں گے تو بیان طویل ہو جائے گا۔ علامہ ابن ظہیرۃ القرشی نے الجامع اللطیف میں تمام فضائل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

حرم میں نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''میری اس مسجد کی نماز دوسری مسجدوں کی نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہے سوائے حرم کے۔''
(بخاری و مسلم)

احمد، بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں سے ہزار درجہ بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے کہ مسجد حرام کی نماز میری مسجد کی نماز سے ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے۔''

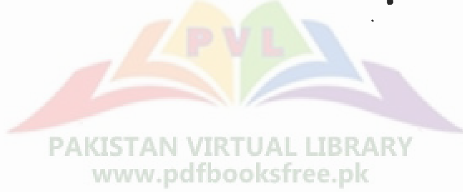
ایک اور روایت میں ہے کہ مسجد حرام کی نماز دوسری مسجدوں کی نماز سے ایک لاکھ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور میری مسجد کی نماز ہزار درجہ بہتر ہے اور بیت المقدس کی مسجد کی نماز پانچ سو درجہ بہتر ہے۔

اِن تینوں مسجدوں کی نماز کی فضیلت اس لیے زیادہ ہے کہ تمام سرزمینوں میں سب سے افضل ہے پھر مدینہ اور پھر بیت المقدس کا مرتبہ ہے۔ تمام مقامات میں بہترین مقام مسجدیں ہیں کیونکہ وہاں اللہ کی یاد ہوتی ہے اور تمام مسجدوں میں مذکورہ

بالا تین مسجدیں افضل ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی بنائی ہوئی ہیں۔

مسجد حرام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی، مدینہ کی مسجد رسول اللہؐ نے بنائی اور مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی۔

فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد حرام میں انسان کا منہ یقیناً قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور مسجد نبویؐ میں بھی یہ بات یقینی ہے مگر دوسری مساجد میں یہ بات یقینی نہیں کیونکہ عین خانہ کعبہ کی طرف منہ کا ہونا دوسرے شہروں میں ظنی بات ہے یقینی نہیں، عین کعبہ کی طرف منہ کرنا تو بڑا ہی دشوار ہے حتیٰ کہ خود مکہ میں جبل ابی قبیس کے پیچھے بھی یہ بات بڑی دشوار ہے کہ انسان کا منہ عین قبلہ کی طرف ہو۔



مسجد حرام کیا ہے؟

مسجد حرام سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ نفس کعبہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر۔

بعض نے کہا ہے کہ خانہ کعبہ اور اس کے اردگرد کی جگہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من
المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی۔

بعض نے کہا ہے کہ پورا مکہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لتدخلن المسجد الحرام

تم لوگ مکہ میں داخل ہو گئے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ پورا حرم کا علاقہ مراد ہے جہاں تک شکار کھیلنا منع

ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انما المشرکون نجسٌ فلا یقربوا المسجد الحرام۔

مشرکین ناپاک ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

نیز فرمایا:

ذالک لمن لم یکن اهله حاضرین المسجد الحرام۔

یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام (مکہ) میں نہیں رہتے۔

نیز فرمایا:

الّا الذین عاهدتم عندالمسجد الحرام۔

مگر وہ لوگ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا۔

یہ معاہدہ، حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا اور حدیبیہ بھی حرم میں داخل ہے۔

(دیکھو الجامع اللطیف مصنفہ علامہ ابن ظہیرۃ القرشی)

ہمارے خیال میں رسول اللہؐ نے جو نماز کی فضیلت کے بارے میں فرمایا ہے وہاں تو مسجد حرام سے نفس مسجد ہی مراد ہے جو خانہ کعبہ کے اردگرد ہے خواہ اس کی مسافت کم ہو جائے یا زیادہ، خواہ اس قدر ہو جتنی کہ دور رسول اللہؐ میں تھی یا اس قدر جتنی کہ اب ہے یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔

مسجد حرام کے حدود

صدرِ اسلام میں مسجد حرام کے حدود، مشرقی جانب چاہ زم زم اور باب بنی شیبہ تک تھے اور بقیہ تین اطراف سے ان سبز ستونوں تک تھے جن میں چراغ لٹکائے جاتے یا بلب لگے ہوئے ہیں یعنی مسجد حرام صرف وہاں تک تھی جہاں تک سنگ مَر مَر کا فرش ہے جسے آج کل ہم صحن کعبہ کہتے ہیں پیچھے اس کی پیائش گذر چکی ہے۔

مسجد حرام کی عہد رسالت و عہد ابی بکر میں یہ حدود تھیں بعدازاں خلفاء و اُمراء نے اضافے کیے۔

مسجد حرام کے اردگرد کوئی دیوار نہ تھی بلکہ اُس کے چاروں طرف گھر تھے جنہوں نے ایک دیوار کی سی شکل پیدا کر لی تھی۔ لوگ اِن گھروں کے درمیانی دروازوں سے آتے جاتے تھے۔ جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں گھروں کو گرا کر مسجد حرام میں شامل کر دیا اور مالکوں کو ان کی قیمت دے دی پھر اس کے اِردگرد ایک چار دیواری بنا دی جو قد آدم سے کم نہ تھی اسی طرح حضرت عثمانؓ نے کیا پھر ابن زبیرؓ وغیرہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ عنقریب ہم اس کا تفصیلی طور پر بیان کریں گے۔

ہمارے دور میں مسجد حرام بہت وسیع ہے بلکہ دنیا کی تمام مسجدوں سے وسیع تر ہے اس کی زمین اردگرد کی زمین سے تین گز نیچی ہے لہٰذا اس کے دروازوں پر سیڑھیاں ہیں جن سے لوگ اُترتے اور چڑھتے ہیں، خانہ کعبہ معظمہ مسجد کے صحن میں واقع ہے۔

بہت سے مؤرخین نے مسجد حرام کی پیائش کا ذکر کیا ہے چنانچہ شیخ حسین باسلامہ التوفی ۱۳۵۶ھ نے مؤرخین کے تمام اقوال درج کیے ہیں اور خود بھی پیائش کی۔ ان تمام پیائشوں کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب تاریخ عمارت مسجد حرام میں کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

جانب شمالی کا وہ ضلع جہاں باب الزاویہ واقع ہے ۱۶۶ میٹر ہے، جنوبی ضلع کی لمبائی جہاں باب الصفا واقع ہے ۱۶۴ گز ہے، مشرقی جانب جدھر باب السلام واقع ہے ۱۰۸ میٹر ہے اور مغربی ضلع کا طول جہاں باب ابراہیم ہے ۱۰۹ میٹر ہے۔ لہٰذا پوری داخلی زمین ۹۰۲ء ۱۷ مربع میٹر ہوئی۔ یہ مساحت مسجد کو دو مثلث قائم الزاویہ میں تقسیم کر کے نکالی گئی ہے۔

میں نے آخری شب محرم ۱۳۶۷ھ میں مسجد حرام کی پیائش کی تو کھلے ہوئے صحن کی پیائش کو مذکورہ بالا بیان کے مطابق پایا اس پیائش میں چھت دار تعمیر اور اردگرد کے قبے شامل نہیں ہیں نہ باب الزیادہ اور باب ابراہیم کا صحن شامل ہے۔

اضافے

مسجد حرام بڑی تنگ اور چھوٹی تھی جو جانب شرق چاہ زم زم تک تھی اور اسی کے مطابق باقی اطراف میں بھی تھی۔ موجودہ وسعت مندرجہ ذیل آٹھ اضافوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔

۱۔ اضافہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

۲۔ اضافہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

۳۔ اضافہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔

۴۔ اضافہ ولید بن عبدالملک رحمتہ اللہ علیہ۔

۵۔ اضافہ ابوجعفر المنصور رحمتہ اللہ علیہ۔

۶۔ اضافہ محمد المھدی العباسی رحمتہ اللہ علیہ۔

۷۔ اضافہ معتمد باللہ العباسی رحمتہ اللہ علیہ۔

۸۔ اضافہ المقتدر باللہ العباسی رحمتہ اللہ علیہ۔

ان تمام اضافوں کا مختصر بیان یہ ہے:

۱۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں مسجد حرام میں اضافہ کیا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ نے ۲۶ھ میں توسیع کی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ۶۵ھ میں اضافہ کیا۔

۴۔ ولید بن عبدالملک نے ۹۱ھ میں توسیع کی۔

۵۔ ابو جعفر المصور نے ۱۳۷ھ میں اضافہ کیا۔

۶۔ مہدی عباسی نے ۱۳۷ھ میں توسیع کی۔ اس کی توسیع مذکورہ بالا تمام اضافوں کے مساوی تھی۔ ۱۶۴ھ میں بھی اس نے اضافہ کرایا۔ اُسی نے مسجد حرام کو مربع کیا کہ کعبہ اس کے وسط میں رہے اور اس پر زر کثیر صرف کیا۔ شیخ باسلامہ نے ان اخراجات کا اندازہ ۴۵۷۸۷۵۰ لاکھ دینار ذہبی لگایا ہے اس رقم میں ۲۲۸۹۳۷۵ لاکھ دینار ذہبی ان مکانات کی قیمت کا ہے جو مسجد حرام میں شامل کیے گئے، مصنف نے لکھا ہے کہ یہ اندازہ کم از کم ہے۔

۷۔ معتمد باللہ العباسی نے ۲۸۱ھ میں اضافہ کیا، اس نے دارالندوہ کو بھی مسجد میں شامل کر دیا، دارالندوہ باب الزیادہ کے سامنے واقع تھا۔ اس نے دارالندوہ کی جگہ باب الزیادہ، باب القطبی، مینارہ اور سائبان بنوائے، اس کی بنائی ہوئی عمارت تین سال رہی، صرف باب القطبی ہی ایک ایسا دروازہ ہے جس کی تجدید ۹۸۴ھ کی تعمیرات میں نہیں کی گئی۔ یہ دروازہ اسی طرح اب تک باقی ہے اور اس قدر مضبوط ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی تعمیر کو گیارہ سو سال گذر چکے ہیں۔

دیکھو ابتدائے اسلام کی تعمیریں کیسی مضبوط ہوتی تھیں حالانکہ

پرانے زمانے میں ایسے آلات میسر نہ تھے جو ہمیں میسر ہیں مگر
دراصل ان لوگوں میں خلوص اور دیانتداری بہت زیادہ تھی جس
کی یہ برکت ہے۔

۸۔ مقتدر باللہ العباسی نے ۳۰۶ھ میں باب ابراہیم کے صحن اور اس کے
سائبان میں اضافہ کیا۔ یہ دروازہ مسجد حرام کے دروازوں میں سب سے
بڑا ہے۔

علامہ ابن ظہیرہ نے اپنی کتاب الجامع اللطیف میں لکھا ہے:

"باب ابراہیمؑ بہت پست تھا، جب کبھی سیلاب مسجد حرام میں
داخل ہوتے تو اُسی کی طرف سے نکلتے مگر آج کل ایسا نہیں
ہے، اب سیلاب کا پانی اس کے نیچے کی نالی سے نکلتا ہے
کیونکہ جب اس دروازے کو بلند کیا گیا تو اس کے نیچے سیلاب
کا پانی نکلنے کے لیے پتھر کی جالیاں بنا دی گئیں۔ یہ ترمیم
۹۱۵ھ یا ۹۱۶ھ میں اشرف غوری کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔
امیر خائر بیگم المعروف بہ عمار نے یہ ترمیم کرائی، مصنف لکھتا
ہے کہ میں نے یہ تعمیر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے جبکہ میں
مکتب میں پڑھتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ مقتدر عباسی کے بعد مسجد حرام میں آج تک کوئی اضافہ نہیں ہوا۔
اس بات کو ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ سب اصلاح و
مرمت ہے۔

ایک لطیفہ

اہلِ مدینہ میں کسی شخص نے ایک قصیدہ مدینہ کی تعرف میں لکھا جس میں اُس نے مدینہ کو مکہ پر فضیلت دی تھی اور امیر مکہ سے درخواست کی تھی کہ یہاں آکر رہیے۔

اہلِ مکہ کو پتا چلا تو انہوں نے اس کی تردید کی اور ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ مکہ کی فضیلت میں لکھا، جدہ کے ایک شاعر کو وہ دونوں قصیدے پہنچے تو اس نے دونوں کے درمیان محاکمہ کیا اور ایک قصیدہ مکہ و مدینہ کی فضیلت کے بارے میں اس طرح لکھا کہ کسی قسم کی کوئی کمی زیادتی نہ کی بلکہ دونوں کے صحیح صحیح فضائل بیان کیے۔

غازی نے اپنی کتاب میں اس قصے کو اس طرح بیان کیا ہے:

کہ جب داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس عم رسول اللہ ﷺ خلافت امین محمد بن ہارون الرشید العباسی کے دور میں مکہ و مدینہ کا گورنر بن کر آیا تو اس نے اپنے بیٹے سلیمان کو مدینہ کا حاکم مقرر کر دیا اور خود مکہ میں رہنے لگا۔ لہٰذا اہل مدینہ نے ایک قصیدہ مدینہ کی فضیلت میں لکھ کر

بھیجا اور یہ درخواست کی کہ آپ کا یہاں قیام کرنا، مکہ کے قیام سے افضل ہے، اسے قصیدے کا خلاصہ یہ ہے:

"اے داؤد تو صاحب فضائل ہے اور صاحب عدل حاکم ہے جو نبی علیہ السلام کے شہروں میں عدل قائم کرتا ہے۔ تو اہلِ حجاز کے لیے جائے پناہ ہے اور پرہیزگاروں کی سی سیرت رکھتا ہے۔ تو بنو ہاشم کا بڑا سردار ہے اور عزوجلال کے منصب پر فائز ہے، تجھ سے سب لوگ خوش ہیں اور سب تیرے عدل و انصاف سے راضی ہیں۔ تو نے لوگوں کو خوب خوب مالِ غنیمت بخشا، ہر حال میں تجھ سے سب خوش ہیں۔ مکہ قیام کرنے کے لائق نہیں ہے، جیسے پچھلے مسلمانوں نے ہجرت کی تھی تو بھی وہاں سے ہجرت کر جا، وہاں بس ماہ تیرا مقیم رہنا ہی کافی ہے۔ بلادِ رسولؐ کی طرف چلا آ، جہاں رسولؐ اللہ آکر رہے تھے، خبردار ایسا نہ ہو کہ تیرا کوئی مشیر تجھے اس ارادے سے پھیر دے کیونکہ نبیؐ علیہ السلام کی قبر اور مدینہ کے آثار ذی طویٰ کے قرب سے بہتر ہیں۔"

جب یہ درخواست داؤد بن عیسیٰ کے پاس آئی تو اس نے مکہ کے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کیا اور چھٹی پڑھ کر سنائی تو ان میں سے ایک شخص نے اس قصیدے کے جواب میں قصیدہ لکھا جس میں مکہ کے فضائل، خصوصیات و کرامات کا تفصیل سے ذکر کیا تھا اور تمام مقدس مقامات کا ذکر کیا تھا، پہلا شعر یہ ہے:

اداؤد انت الامام الرضی وانت ابن عم نبی الهدیٰ

اے داؤد تو بہترین امام ہے اور تو نبی علیہ السلام کے چچا کا بیٹا ہے۔

یہ قصیدہ پچھتر اشعار پر مشتمل ہے ان دونوں قصائد کا جواب بنو مجل کے ایک زاہد نے دیا جو جدہ میں مقیم تھا اس نے ۳۹ شعر کا ایک قصیدہ لکھا جس میں مکہ اور مدینہ دونوں کے فضائل برابر برابر بیان کیے۔ پہلا شعر یہ ہے:

اِنی قضیت علی الذین تماریا فی فضل مکة والمدینة فاسألوا

میں نے ان لوگوں کے بارے میں جو مکہ و مدینہ کی فضیلت کے بارے میں جھگڑتے ہیں فیصلہ کیا ہے۔

آخری شعر یہ ہے:

ساق الالہ لبطن مکہ دیمة تروی بها وعلی المدینه تسبل

اللہ مکہ اور مدینہ پر بارانِ رحمت کا نزول فرمائے۔

حرم کے کبوتر

حرم میں دو قسم کے کبوتر ہیں، کچھ پالتو اور کچھ غیر پالتو۔ پالتو کبوتروں کی بہت سی قسمیں اور بہت سی شکلیں ہیں جیسا کہ دوسرے شہروں میں ہیں۔ دوسری قسم حرم کے کبوتر ہیں جن کے لیے خاص طور پر ہم نے یہ فصل مقرر کی ہے ان کی خاص شکل اور خاص ہیئت ہے جو کبھی نہیں بدلتی اور خاص رنگ ہے۔

سر سے گردن تک یہ کبوتر بہت نیلے اور چمک دار ہوتے ہیں، ان کے بازو اور دُم سیاہ ہوتی ہے اور باقی جسم نیلا مائل بہ سپیدی ہوتا ہے ان کے دونوں بڑے پروں میں دُم کے قریب سیاہ خط ہوتے ہیں جو انہیں دوسرے کبوتروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اِن کبوتروں کو مکہ کے کبوتر اور بیت اللہ کے کبوتر بھی کہتے ہیں۔ یہ قسم پورے حجاز میں اور بالخصوص مکہ میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ حجاز سے باہر یہ قسم کم ہے۔ مصر میں اسے جنگلی کبوتر کہتے ہیں اور موصل میں بھی ہم نے یہ کبوتر دیکھے، کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اس قسم کے کبوتر بکثرت ہیں جن میں سے بعض پروردہ اور بعض جنگلی ہوتے ہیں جنہیں شکار کیا جاتا ہے۔

بعض مؤرخین نے ان کبوتروں کے ابتدائے وجود سے بحث کی ہے مگر ہمارے

خیال میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے سب ظن و تخمین پر موقوف ہے۔ کیونکہ کسی حیوان کے ابتدائے وجود کے بارے میں تو بڑی مستند بات درکار ہوتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔

ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں کبوتر تھے۔ رہی یہ بات کہ حرم کے کبوتر کہاں سے آئے اور کب آئے اور آیا یہ اسی جوڑے کی نسل سے ہیں جس نے غارِ ثور پر اپنا گھونسلا بنا لیا تھا جبکہ رسولؐ اللہ اور ان کے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت کے وقت اُس کے اندر جا کر چھپے تھے یا کوئی اور قسم ہے۔ ان باتوں کا اللہ کے سوا کسے علم ہو سکتا ہے۔

جب اِسلام نے ان کبوتروں کا مارنا حرام قرار دے دیا تو ان کی کثرت ہو گئی وہ لوگوں سے ڈرتے نہیں بلکہ ان کے قریب آ کر بیٹھتے ہیں بلکہ بسا اوقات انسان کے سر اور مونڈھے پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں جبکہ اس کے ہاتھوں میں غلہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے کجاوے، کھانے اور کپڑوں پر کبوتر آ کر بیٹھ جاتے تو آپ انہیں کچھ نہ کہتے۔ ایک شخص نے حضرت عطاء سے پوچھا ''کیا مرغی کا انڈا حرم کی کبوتری کے نیچے سے نکلوا سکتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''میرے خیال میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' ایک قریشی لڑکے نے حرم کا کبوتر مار دیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا، ایک بکری بطور فدیہ دے۔

ان وجوہات کی بناء پر حرم کے کبوتر لوگوں سے نہیں ڈرتے۔ کاش یہ کبوتر انسانوں سے ڈرتے کیونکہ یہ کبوتر لوگوں کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ ہمارے گھروں میں گھس کر کھانے کی چیزوں میں چونچ ڈال دیتے ہیں اور گھر کے فرش کو

گندہ کر جاتے ہیں۔ انہیں کتنا ہی بھگاؤ مگر یہ نہیں بھاگتے۔ مکہ اور جدہ کے راستے میں بھی یہ کبوتر کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ جب اس طرف کہیں سے غلہ آتا ہے تو یہ بوریاں توڑ کر غلہ کھا جاتے ہیں اور اڑائے نہیں اڑتے۔

ہم نے مکہ کے کبوتروں میں کچھ خاص باتیں دیکھی ہیں۔

۱۔ حرم کا کبوتر غیر کبوتروں کے ساتھ میل نہیں کھاتا خواہ اُسے کتنے ہی دنوں کیوں نہ قفس میں بند رکھا جائے مگر یہ کہ ایک طویل عرصہ تک وہ قید رہے۔

۲۔ حرم کا کبوتر دوسرے کبوتروں کے ساتھ دانہ چگنے میں شریک ہو جاتا ہے مگر پروردہ کبوتر حرم کے کبوتروں کے کھانے دانے میں شرکت نہیں کرتے۔

۳۔ حرم کے کبوتر کھانے کے بڑے لالچی ہیں، اگر کھاتے کو اڑا دیا جائے تو تھوڑی دیر بعد فوراً لوٹتا ہے۔

۴۔ حرم کے کبوتر، پالتو کبوتروں سے زیادہ قوی، زیادہ پرواز کرنے والے، تیز نظر اور زیادہ ہشاش بشاش ہوتے ہیں۔ دانے کے لیے دوسرے کبوتروں سے خوب لڑتے ہیں۔

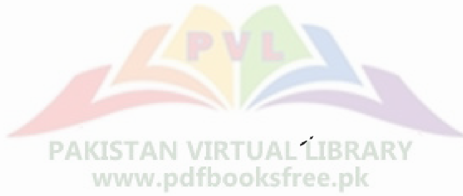
۵۔ جب کوئی حرم میں دانہ ڈالتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ہزاروں کبوتر ایک دم ٹوٹ پڑتے ہیں مگر اِن میں کوئی بھی غیر جنس کا کبوتر نہیں ہوتا۔

۶۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ کسی خاص وقت پر دانہ ڈالنے لگے تو آپ دیکھیں گے کہ حرم کے کبوتر وہاں ٹھیک وقت پر آموجود ہوتے ہیں۔

۷۔ حرم کا کبوتر کبھی اپنا گھونسلہ ویرانے یا جنگل میں نہیں رکھتا۔ ہمیشہ آبادی، گھروں، دروازوں اور چھتوں میں رکھتا ہے۔

۸۔ حرم کے کبوتروں کی خاص ہیئت اور خاص قسم کی طبیعت ہے جس میں کبھی کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

اِن اوصاف میں حرم کا کبوتر امتیازی شان رکھتا ہے لیکن دوسری صفات میں وہ عام کبوتروں کے ساتھ اشتراکِ فطرت رکھتا ہے مثلاً یہ کہ ایک ہی مادہ لیتا ہے، اپنی مادہ سے محبت رکھتا ہے اور اس کے بارے غیرت مند ہوتا ہے۔



خانہ کعبہ پر کبوتروں کا نزول

عموماً لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حرم کا کبوتر خانہ کعبہ پر نہیں گرتا اور اگر کبھی اس پر بیٹھتا ہے تو کسی بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے بیٹھتا ہے۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ حرم کے کبوتر خانہ کعبہ پر بیٹھتے ہیں اگرچہ بہت ہی شاذ و نادر، ہاں دوسری قسم کے کبوتر خانہ کعبہ پر نہیں بیٹھتے بلکہ باوجود مسجد حرام کی وسعت کے وہاں آتے بھی نہیں۔ میرے خیال میں اِس کے تین سبب ہیں:

۱۔ کبوتر بلند مقام پر بیٹھنا چاہتا ہے اور کعبہ آس پاس کے مکانات کی نسبت سے بہت کم اونچا ہے۔

۲۔ تمام پرند از قسم کبوتر وغیرہ کسی پتھر کے فرش پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے اِلّا یہ کہ وہاں دانے پڑے ہوں، کبوتر تو مکانات سے نکلی ہوئی لکڑیوں، پتھروں، کنگروں اور رسیوں پر بیٹھنا پسند کرتا ہے جسے وہ اپنے پنجوں میں داب سکے۔

خانہ کعبہ میں کوئی چیز باہر کو نکلی ہوئی نہیں ہے بلکہ اُس پر حریر کا غلاف پڑا رہتا ہے پھر یہ کہ اس کی چھت چھوٹی سی ہے اور چکنے پتھر کا فرش ہے جو دھوپ میں تپتا ہے نہ اس پر دانے پڑے ہوتے ہیں البتہ کبھی کبھی خانہ کعبہ کے پرنالے پر بیٹھ جاتے

ہیں۔ کیونکہ وہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔

۳۔ کبوتر، سوراخوں، دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں کی درازوں پر بیٹھتا ہے اور خانہ کعبہ میں ایسی کوئی چیز نہیں۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ کبوتر جب بیمار ہو جاتا ہے تو شفا حاصل کرنے کے لیے کعبہ پر بیٹھتا ہے یہ غلط ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں:

۱۔ کوئی حیوان عقل نہیں رکھتا لہٰذا ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ طلب شفا کے لیے بیٹھتے ہیں نیز وہ غیر مکلف بھی ہیں مگر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کبوتر خانہ کعبہ پر احتراماً نہیں چڑھتے پھر یہ کہ ہم نے یہ بات کیسے جانی جبکہ نہ وہ ہماری بات سمجھتے ہیں نہ ہم اُن کی۔

۲۔ اگر کبوتر کا طلب شفا کے لیے خانہ کعبہ پر گرنا درست ہے تو ہمیں بتاؤ کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ کعبہ ایک مقدس مقام ہے۔

۳۔ اگر حیوانات احترامِ خانہ کعبہ سے آشنا ہوتے تو بلیاں کیوں حرم سے شکار لے جایا کرتیں اور خانہ کعبہ کے اندر بیٹھ کر کیوں کبوتر کھاتیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ۱۰۳۹ھ میں ہوئے جبکہ سلطان مراد نے خانہ کعبہ کی تعمیر کرنی چاہی تھی اور ابھی لکڑی وغیرہ کا کوئی پردہ قائم نہیں ہوا تھا۔ غازی نے اپنی کتاب افادۃ الانام میں شیخ محمد علی بن علان الصدیقی الشافعی کے رسالہ سے اس قسم کے قصے نقل کیے ہیں۔

امام ازرقی نے ذکر کیا ہے کہ "ابن زبیرؓ کے دور میں جب خانہ کعبہ میں آگ لگی اور کبوتر خانہ کعبہ سے اڑتے تو اُس کے پتھر جھڑ جاتے۔"

کبوتروں کا دفعیہ

صدرِ اسلام میں چونکہ مسجد حرام چھوٹی سی تھی لہٰذا کبوتر یہاں نہیں رہتے تھے کیونکہ نہ مسجد کی کوئی چار دیواری تھی نہ چھت تھی مگر آج کل تو مسجد حرام میں لاتعداد کبوتر ہیں۔ کیونکہ مسجد بہت وسیع، بہت سے کنگروں اور درازوں والی ہو گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ مسجد حرام میں کبوتروں نے دولت عثمانیہ کے زمانے میں رہنا شروع کیا کیونکہ حکومت نے ان کے لیے سالانہ غلہ مقرر کر رکھا تھا اور اب تک لوگ ان کے لیے غلہ ڈالتے ہیں خصوصاً حاجی لوگ، لہٰذا مسجد حرام کبوتروں کے لیے ایک وسیع مرغزار، جائے امن اور آب دوانہ کی جگہ بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات بڑی دردناک ہے کہ اتنی بڑی مسجد جسے تمام دنیا کی مسجدوں پر فضیلت حاصل ہو، جو بیت اللہ ہو اور جس میں مقامِ ابراہیمؑ ہو وہ کبوتروں کی نجاست سے ملوث ہو، حتیٰ کہ اس سے بچ کر چلنا بھی دشوار ہو اور نماز پڑھنا بھی مشکل ہو، لوگ ان کبوتروں سے تنگ آ گئے ہیں، جب کبھی تھوڑی سی بارش ہوتی ہے تو ان کی بدبو حرم میں پھیل جاتی ہے۔

کاش! محکمہ اوقاف جو مسجد حرام کی نگرانی کرتا ہے ان کبوتروں کو یہاں سے

کہیں دُور بھیج دے اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی تلف نہ ہو۔ مسفلہ و جرول میں ان کے لیے دانے ڈالے جائیں تا کہ یہ کبوتر یہاں سے دفع ہو جائیں۔ اس طرح لوگ ان کی تکلیف سے آرام پا سکتے ہیں اور ان کی نجاست سے مسجد حرام محفوظ رہ سکتی ہے، مسجدیں پاک صاف اور خوشبودار رہنی چاہئیں۔

اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، کیونکہ حرم کے کبوتروں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے خصوصاً جبکہ انسانوں کو اُن سے تکلیف پہنچتی ہے اور انہیں یا اُن کے بچوں کو کسی قسم کا نقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔ ہاں اگر انہیں کوئی نقصان پہنچے تب تو فدیہ ضروری ہے۔

کتاب، القریٰ القاصد اُمّ القریٰ مؤلفہ حافظ الطبری میں مالک بن دینار سے روایت ہے کہ میں مجاہد کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ کھجور کی شاخ سے کبوتروں کو دفع کر رہے ہیں۔

اِسی کتاب میں لکھا ہے نافع بن عمرو نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ دارالندوہ میں داخل ہوئے آپ نے اپنا مشکیزہ لٹکا دیا اس پر کبوتر آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اُسے اڑا دیا کہ کہیں مشکیزہ کو ناپاک نہ کر دے، کبوتر اُڑ کر ایسی جگہ جا کر بیٹھا کہ وہاں سانپ بیٹھا تھا۔ اُس نے کبوتر کو ڈس لیا تو وہ مر گیا۔ آپ نے فرمایا اِس کبوتر کو میں نے اڑایا تب ہی تو سانپ نے اُسے کاٹا۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ مجھے کیا تاوان دینا چاہیے۔ انہوں نے ایک بکری قربانی کرنے کو کہی۔ اس روایت کی تصریح امام شافعی نے کی ہے۔

امام ازرقی نے عبداللہ بن عمر بن نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس

کبوتروں کے اڑانے کو جائز قرار دیتے تھے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک کبوتر کے بارے حکم دیا کہ اسے اڑا دیا جائے چنانچہ اسے اڑا دیا گیا وہ مردہ پہاڑ پر جا بیٹھا تو اُسے سانپ نے پکڑ لیا۔ آپ نے اس کے تاوان میں ایک بکری بطور فدیہ دی۔

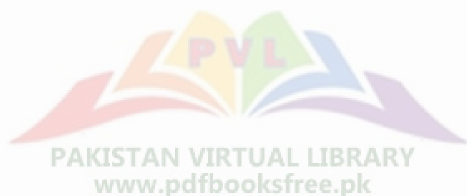
مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک کبوتری کے بارے میں حکم دیا کہ اسے اڑا دیا جائے چنانچہ اسے اڑا دیا گیا تو اسے ایک سانپ نے پکڑ لیا، آپ نے نافع بن الحارث الخزاعی کو بلایا، انہوں نے مٹیالے رنگ کی بھیڑ قربانی دینے کو کہا۔

اِن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حرم کے کبوتروں کا اُڑانا جائز ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا درست ہے بشرطیکہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو حضرت ابن عباس اس کی اجازت نہ دیتے اور نہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اُن کے اڑانے کے متعلق حکم دیتے۔ رہا فدیہ یا تاوان کا معاملہ تو وہ اس بنا پر ہوا کہ انہیں گزند پہنچے۔ اڑانا اور بات ہے اور مارنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے اور دوسری ناجائز ہے۔

علامہ شیخ عبدالغنی بن یٰسین اللبدی النابلسی الحنبلی اپنی کتاب دلیل الناسک لاواء المناسک میں لکھتے ہیں:

''ہر موذی جانور کا قتل کرنا مسنون ہے خواہ حرم ہو یا حرم سے باہر۔ اس قول کی بناء پر اگر یہ دیکھا جائے کہ کبوتروں سے بھی لوگوں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے اور گھروں والے ان سے تنگ آگئے ہیں اور ان کی نجاست سے بہت عاجز آگئے ہیں تو حرم کے کبوتروں کا دفع کرنا بھی جائز ہوگا اگر یہ بھگائے سے نہ بھاگیں تو پھر ان

کا مارنا، پکڑنا یا ذبح کرنا بھی جائز ہوگا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا ان کا کھانا بھی جائز ہے؟ تو یہ محل نظر ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔"



مقامِ ابراہیمؑ

خانہ کعبہ و مسجد حرام کا ہم تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم مقامِ ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا

واتخذ وامن مقام ابرٰهیم مصلّے

جب ہم نے گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا۔ بناؤ مقامِ ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہاں من تبعیضہ (جو بعض کے معنی دیتا ہے) بعض نے اسے زائد کہا ہے جیسا کہ اخفش کا مذہب ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ من فی (میں کے) معنیٰ میں ہے مگر یہ تمام اقوال بعید ہیں، قریب ترین بات یہ ہے کہ یہ عند (نزدیک) کے معنی میں ہے اور مقامِ میم کے فتح اور میم کے پیش دونوں سے ہے۔

مقام سے آیت میں کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ پوری مسجد مقامِ ابراہیمؑ ہے، بعض نے کہا ہے کہ پورا حرم مقامِ ابراہیم

ہے، بعض نے کہا ہے کہ منیٰ و مزدلفہ اور عرفہ بھی مقام ابراہیمؑ میں داخل ہے، بعض کے نزدیک مقامِ ابراہیمؑ وہ پتھر ہے جو حضرت اسماعیلؑ کی بیوی نے حضرت ابراہیمؑ کا سر دُھلاتے وقت اِن کے قدموں کے نیچے دھرا تھا۔ بعض نے کہا ہے مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر آپ نے بنائے خانہ کعبہ کے وقت کھڑے ہو کر تعمیر کی تھی، یہ پتھر خود بخود حسب ضرورت اونچا ہوتا جاتا تھا۔

اِسی کے بارے میں صاحب نظم عمود النسب کہتا ہے:

وکل طال البناء ارتفعا به المقام فی الهوا و رفعا

جس قدر تعمیر بلند ہوتی یہ پتھر اسی قدر بلند ہوتا جاتا۔

بہرحال یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ آیت سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی خاص مقام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور اس کے پاس نماز ادا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ ویسے اگر ہم اس کے لغوی معنیٰ پر غور کریں تو ہر اس مقام کو مقامِ ابراہیمؑ کہہ سکتے ہیں جہاں کہیں بھی آپ کھڑے ہوئے مگر مندرجہ ذیل آیتوں پر غور کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مقامِ ابراہیمؑ سے کوئی مخصوص مقام مراد ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ o فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ۔

پہلا گھر جو مکہ میں قائم کیا گیا وہ مبارک ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت والا ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں اور وہاں مقام ابراہیمؑ بھی ہے۔

نیز یہ آیت بھی ملاحظہ ہو۔

واتخذ وامن مقام ابراهیم مصلّے

بنا لو مقامِ ابراہیم کو جائے نماز۔

اِس امر کی تائید حضرت جابر کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، ''جب نبی علیہ السلام نے طواف کیا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا ''کیا یہ ہمارے باپ کا مقام ہے؟'' آپؐ نے فرمایا 'ہاں' حضرت عمرؓ نے پوچھا ''کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنا لیں؟'' تو یہ آیت نازل ہوئی ''واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام کے پاس سے گزرے، حضرت عمرؓ آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے دریافت کیا ''یا رسولؐ اللہ کیا یہ ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مقام نہیں ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں۔'' حضرت عمرؓ نے دریافت کیا ''کیا ہم اسے مصلّٰی نہ بنا لیں؟'' آپؐ نے فرمایا ''مجھے اس کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا ہے۔'' مگر سورج غروب نہ ہوا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا ''میں نے پروردگار کے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی یا پروردگار نے میرے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی، میں نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا تھا کہ کیا ہم مقامِ ابراہیمؑ کو مصلّٰی نہ بنا لیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰے۔ (الحدیث)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے رکن کو چوما۔ پھر آپ نے تین بار رمل کیا اور چار بار سادہ طور سے چلے پھر مقامِ ابراہیمؑ پر آئے اور یہ آیت پڑھی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰے اور وہاں دو رکعت پڑھیں۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ ٹکڑا ایک بڑی حدیث کا ہے۔ جسے مسلم

نے اپنی صحیح میں حاتم بن اسماعیل سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مقامِ ابراہیمؑ کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اس کا سامنا ضروری نہیں ہے کیونکہ مقامِ ابراہیمؑ ہاتھ بھر کا چھوٹا سا پتھر ہے۔ اس پر ایک شخص بھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

حدیث میں ہے کہ رکن اور مقام جنت کے یاقوت ہیں، اللہ نے ان کے نور کو کم کر دیا ہے ورنہ یہ بڑے منور ہوتے۔ یہ روایت ترمذی، احمد، حاکم اور ابن حبان نے کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات سے یہ بات ہے کہ اس پتھر پر آپ کے قدم کے نشان پڑ گئے جو آج تک باقی ہیں، اگرچہ لوگوں کے چھونے کی وجہ سے اس کی اصلی ہیئت میں بہت کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہے، اہلِ عرب جاہلیت کے دور میں بھی اس بات کا ذکر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے اپنے لامیہ قصیدہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة　　على قدميه حافيًا غير ناعل

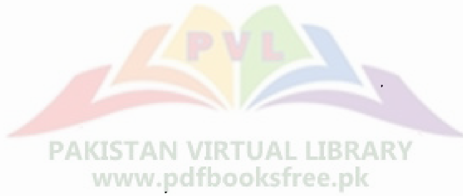
ابراہیم کے نقش قدم پتھر میں پڑ گئے　　حالانکہ آپ ننگے پاؤں تھے۔

لہٰذا مقامِ ابراہیمؑ یہی پتھر ہے اور حجر اسود بھی ہمیشہ سے محترم رہا ہے گو ہمارے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ ہو گیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ عرب اگرچہ پتھروں کو پوجتے تھے مگر کبھی کسی نے حجر اسود یا مقام ابراہیمؑ کو نہیں پوجا اگرچہ ان دونوں کا وہ احترام کرتے چلے آئے ہیں۔

شاید اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہو کہ ان کی جاہلیت میں عبادت ہوئی اور اسلام ان کے احترام کو باقی رکھتا تو کافر کہتے کہ دیکھو اسلام بھی شرک سے پاک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پتھروں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے آج تک محفوظ کر دیا ہے۔ جس طرح کہ بیت اللہ کو اس کے پوجے جانے سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔



توصیف مقام

میں یہ سوچا کرتا تھا کہ مقامِ ابراہیمؑ جو لکڑی کے صندوق میں رکھا ہے جس پر حریر کا منقش پردہ پڑا ہوا ہے اور چاروں طرف لوہے کی سبز سلاخیں ہیں، یہ کوئی اتنا بڑا پتھر ہوگا کہ اُسے چار پانچ آدمی بھی نہ اُٹھا سکتے ہوں گے اور میں یہ بھی خیال کیا کرتا تھا کہ آپ کے قدم کا نشان ایسا ہوگا جیسا زمین پر نقش قدم پڑ جاتا ہے مگر جب میں نے شعبان ۱۳۶۷ھ میں اس کی زیارت کی تو معاملہ کچھ اور ہی نکلا۔

اس سے پیشتر کہ میں کچھ بیان کروں بعض مؤرخین کے بیانات دیتا ہوں تاکہ ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو سکے۔

امام ازرقی المتوفی ۲۴۰ھ اپنی کتاب اخبار مکہ کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۹ پر رقم طراز ہیں "میں کہتا ہوں کہ مقامِ ابراہیمؑ کل ایک ہاتھ کا ہے اور مربع ہے، بالائی حصہ چودہ اُنگل چوڑا اور چودہ اُنگل لمبا ہے اور نیچے سے بھی اسی قدر ہے، اس کے نیچے اُوپر کے دو طوق ہیں، دونوں طوقوں کا درمیانی حصہ بقدرِ مقام کھلا ہوا ہے۔ سونے کا طوق امیر المومنین متوکل علی اللہ نے چڑھوایا۔ اس سے پیشتر مقام کا طول نو انگل اور عرض دس انگل تھا۔ قدم مبارک پتھر کے اندر دھنسے ہوئے ہیں اور ترچھے

ہیں، دونوں قدموں کے درمیان دو انگل کا فاصلہ ہے۔ بیچ کا حصہ لوگوں کے چھونے کی وجہ سے گھس گیا ہے یہ پتھر سال کی مربع لکڑی میں دھرا ہوا ہے جس کے اردگرد رنگ چڑھا ہوا ہے، اس پر ایک سال کا صندوق ہے جس کے نیچے دو زنجیریں لگی ہوئی ہیں اور جن میں دو تالے ڈال دیے جاتے ہیں۔"

ابن جبیر الاندلسی لکھتا ہے، وہ ۵۷۸ھ میں حج کرنے آیا تھا۔ یہ مقامِ کریم جو قبہ کے اندر ہے مقامِ ابراہیمؑ ہے یہ پتھر چاندی سے ڈھکا ہوا ہے اس کی بلندی تین بالشت اور وسعت دو بالشت ہے، اوپر کا حصہ نیچے کے حصے سے زیادہ وسیع ہے۔ دونوں قدم اور انگلیوں کے نشانات بالکل واضح ہیں۔ اس مقام کے لیے ایک لوہے کا قبہ بنایا گیا ہے جو زمزم کے قبے کے پاس رکھا ہوا ہے، جب حج کا زمانہ آتا ہے اور لوگوں کی کثرت ہو جاتی ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے اور لوہے کا قبہ رکھ دیا جاتا ہے۔"

تقی الفاسی شفاء الغرام میں، قاضی عزالدین بن جماعہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے "جس زمانے میں میں مکہ میں رہتا تھا یعنی ۷۵۳ھ میں تو میں نے مقامِ ابراہیم کا زمین سے بلندی کا اندازہ لگایا تو وہ ۸/۷ ذراع تھی (ذراع برابر آدھ گز ہوتا ہے) مقام کا اوپر والا حصہ مربع ہے اور ۴/۳ ذراع ہے۔ اس کے اردگرد چاندی چڑھی ہے۔"

شیخ حسین عبداللہ باسلامۃ اپنی کتاب تاریخ مسجد حرام کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں:

"مقامِ ابراہیمؑ ایک قسم کا نرم پتھر ہے جیسے پانی کے پتھر ہوتے ہیں۔ یہ سخت قسم کا پتھر نہیں ہے، یہ پتھر مربع ہے۔ طول، عرض اور بلندی میں پچاس سنٹی میٹر ہے۔

اس کے بیچ میں حضرت ابراہیمؑ کے دونوں قدموں کے نشان ہیں جو بیضوی مستطیل صورت میں کھدے ہوئے ہیں۔ چونکہ لوگوں نے انہیں کثرت سے چھوا اور زم زم کا پانی بھر بھر کر پیا۔ لہٰذا اب یہ ایک گڑھے کی صورت میں ہو گئے ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے ۱۳۳۲ھ میں شیخ محمد صالح شیبی کے ساتھ اس مقام کی زیارت کی تو اسے چاندی کے فریم میں دیکھا۔ اس کا رنگ سیاہی، سپیدی اور زردی کے درمیان ہے اور قدموں کے نشان ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری میں امام جوزی سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے اثرات بہت ہلکے ہیں اور اب تک موجود ہیں اور اہلِ مکہ ان کے شناسا رہے ہیں چنانچہ ابو طالب کہتے ہیں:

وموطئ ابراهيم في الصخر رطبة　　على قدميه حافيًا غيرنا عل

پتھر میں ابراہیم کے قدم کے نشان ہیں جبکہ آپ ننگے پاؤں بغیر جوتے کے تھے۔“

ابن وہب کے مؤطا میں یونس بن شہاب بن انس سے روایت ہے کہ میں نے مقامِ ابراہیمؑ کو دیکھا اس پر آپ کی انگلیوں اور تلووں کے نشانات تھے مگر لوگوں کے چھونے سے مٹے مٹے ہو گئے ہیں۔“

طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”آیت واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّٰے میں لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اُس کے پاس نماز پڑھیں اس کے چھونے کا حکم نہیں دیا گیا جن لوگوں نے آپ کی

ایڑی اور انگلیوں کے نشانات دیکھے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے کہ لوگوں کے چھونے سے نشانات مٹ گئے ہیں۔"

ہم نے تمام مؤرخین کے اقوال بغیر کسی اضافہ وتشریح کے درج کر دیے ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں:

"جب ہم نے یہ کتاب لکھنی چاہی تو ہمیں تمنا ہوئی کہ بچشم خود مقامِ ابراہیمؑ کو دیکھیں لہٰذا ولی عہد بہادر سے ہم نے اس حجرہ کے کھولنے کی درخواست کی انہوں نے منظور فرمائی اور ہم نے اطمینان سے زیارت کی جس کا حال درجِ ذیل ہے:

۲۷ شعبان بروز اتوار ۱۳۶۷ھ میں خادمِ کعبہ شیخ عبداللہ اپنے فرزند شیخ عبدالعزیز کے ساتھ خانہ کعبہ کے دھونے کے لیے آئے پہلے ہم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور اُسے زمزم اور عطر کے پانی سے دھویا۔ ہمارے ساتھ شیخ ہاشم، شیخ عمر اور شیخ صالح وغیرہ تھے۔

یہاں سے فراغت پانے کے بعد میں محمد طاہر الکردی مؤلف کتاب اِس صندوق کے اندر داخل ہوا جس کے اندر مقامِ ابراہیمؑ دھرا ہے تاکہ اچھی طرح مقامِ ابراہیمؑ کو دیکھوں، کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک میں اس صندوق کے اندر رہا، مقامِ ابراہیمؑ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا اور شیخ عمر میرے برابر بیٹھے تھے تاکہ میری مدد کریں۔ وہ صندوق کی تنگی کی وجہ سے میرے برابر بیٹھ گئے اور بقیہ حضرات ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ہماری تحقیقات کو بغور دیکھ رہے تھے۔

میں نے مقامِ ابراہیمؑ کو ایک سپید سنگ مرمر کے پتھر پر کھڑا پایا یہ پتھر مقامِ ابراہیمؑ کے طول وعرض کے برابر تھا۔ اس کی بلندی تیرہ سنٹی میٹر تھی۔ اس پتھر پر

مقامِ ابراہیمؑ چاندی کے ذریعہ مثبت ہے کہ اس کو ہلایا نہیں جا سکتا۔

پھر یہ پتھر ایک اور سپید سنگ مرمر کے پتھر کے اندر نصب ہے جو ہر طرف سے ایک میٹر لمبا چوڑا ہے اور زمین سے چھتیس سنٹی میٹر بلند ہے۔ اس پتھر کے اردگرد لکڑی کا صندوق ہے جو حرم کی صورت میں ہے اور قد آدم بلند ہے۔ اس میں سوائے ایک چھوٹے سے دروازے، جس سے مقام دکھائی دیتا ہے، کوئی روشندان نہیں، اس صندوق پر ہر طرف چاندی چڑھی ہے اور اس کے مشرقی جانب یہ عبارت لکھی ہے:

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرحیم o انّ اوّل بیت وضع للنّاس للذی ببکۃِ مبارکًا وھدی اللّعالمین، فیہ آیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہٗ کان آمنا وللّٰہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلا۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور اسی سے ہدایت ملتی ہے۔ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا مکہ میں ہے جو مبارک ہے اور لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں، وہاں مقامِ ابراہیمؑ ہے جو اس میں داخل ہو گا مامون ہو گا اور لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ راستہ کی قدرت رکھتے ہوں۔

کتبہ الحافظ اسمٰعیل الزھدی ادنوری خوجہ کتبہ عام الف ومائتین وثمان وعشرین۔

حافظ اسماعیل زہد ادنوری خوجہ نے ۱۲۲۸ھ میں لکھا۔

باہر سے صندوق پر چاندی چڑھی ہے اور اس پر یہ عبارت لکھی ہے:

"صاحب خیرات وحسنات سلطان بر و بحر فاتح حرمین غازی سلطان محمود خاں ابن عبدالحمید خاں ۱۲۲۸ھ"

اس عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صندوق پر چاندی مذکورہ بالا بادشاہ نے چڑھائی، اندر سے یہ صندوق معمولی ہے نہ اس پر کچھ لکھا ہے نہ نقش و نگار ہیں۔ یہ صندوق چاروں طرف سے زمین تک حریر کے غلاف سے ڈھکا ہوا ہے جس پر کچھ قرآنی آیات لکھی ہیں۔ یہ آیتیں ۱۳۴۸ھ میں لکھی تھیں اور مکہ کے دارالکسوہ میں یہ غلاف بنا گیا تھا۔ جب سے اب تک یہ غلاف بحالہٖ باقی ہے۔ اس کا رنگ وغیرہ نہیں بدلا۔ پھر اس صندوق کے اردگرد چاروں طرف لوہے کا جنگلہ ہے جس پر سبز رنگ پھرا ہوا ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ کا رنگ زردی اور سُرخی کے درمیان ہے، مگر سپید رنگ سے زیادہ قریب ہے اور کمزور سے کمزور آدمی بھی اُسے اُٹھا سکتا ہے۔

اِس پتھر کی بلندی بیس سنٹی میٹر ہے اور بالائی تین ضلعوں کا طول چھتیس سنٹی میٹر اور چوتھے ضلع کا طول اڑتیس سنٹی میٹر ہے۔ گویا کل بلندی ایک سو چھیالیس سنٹی میٹر ہے۔ نیچے کا حصہ اُوپر کے حصہ سے زیادہ وسیع ہے اس کا پورا محیط ایک سو چھیالیس سنٹی میٹر ہے۔

اس متبرک پتھر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قدم اس پتھر کی نصف بلندی تک دھنس گئے تھے کیونکہ ایک قدم کی گہرائی دس سنٹی میٹر ہے اور دوسرے کی نو سنٹی میٹر ہے۔ انگلیوں کے نشانات ہم نے نہیں دیکھے کیونکہ انگلیوں کے نشانات لوگوں

کے چھونے اور امتدادِ زمانہ سے مٹ گئے ہیں۔ البتہ ایڑیوں کے نشانات بہت غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں۔

دونوں قدموں کا طول ستائیس سنٹی میٹر ہے اور عرض چودہ سنٹی میٹر ہے، دونوں قدموں کے درمیان ایک سنٹی میٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ بھی لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بہت باریک پڑ گیا ہے، اسی طرح دونوں قدموں کا طول اور عرض لوگوں کے چھونے کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ گو قدم شریف پر چار ہزار سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر پھر بھی نشانات قدم باقی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح باقی رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فیه آیات بینات مقام ابراهیم ط

اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیمؑ ہے۔

مقام کا پورا پتھر خالص چاندی سے مڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا پتھر کی اصلیت صرف قدموں کے نشان اور ان کے اطراف سے ظاہر ہوتی ہے۔ دونوں قدموں کا باطنی حصہ برابر نہیں ہے بلکہ دونوں کے اندر کچھ اُبھار ہیں، دونوں قدموں کے اردگرد چاندی کے اوپر، خط ثلث میں نہایت واضح طور پہ آیۃ الکرسی لکھی ہے، اور خط ثلث میں چاروں طرف یہ آیتیں بھی لکھی ہیں:

ان ابراهيم كان أمة قانتًا لله حنيفًا ولم يك من المشركين
شاكراً لا نعمهٖ اجتباه وهداه الٰى صراطٍ مستقيم. وآتيناه في
الدّنيا حسنة وانهٗ في الآخرة لمن الصّالحين ط

"ابراہیمؑ اللہ کا مخلص خشوع وخضوع والا بندہ تھا۔ وہ مشرکین سے نہ تھا،

اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار تھا۔ اس نے اسے چنا اور سیدھی راہ کی ہدایت دی۔ ہم نے اسے دُنیا میں نیکی دی اور وہ آخرت میں نیک بندوں سے ہے۔

پھر اس کے بعد یہ عبادت لکھی ہے:

''سطح قدمِ شریف کی تجدید صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کے دوست کی محبت کی خاطر بحکم مولانا سلطان مصطفیٰ خان بن سلطان محمد خان دام عزہ ونصرہ ۱۱۱۳ھ میں ہوئی۔''

چاندی پر کچھ نقش و نگار بھی ہیں مگر چاندی کا وہ حصہ جو قدموں کے نیچے ہے اس پر نہ نقش ہیں نہ کچھ لکھت ہے۔

چونکہ پورا مقامِ ابراہیمؑ چاندی سے مڑھا ہوا ہے اور بڑی مضبوطی کے ساتھ گڑا ہوا ہے کہ اسے ہلایا بھی نہیں جا سکتا اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کس مقام پر ٹوٹ پھوٹ یا جوڑ وغیرہ ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے سلاطین اسلام کو اس مقدس یادگار کی حفاظت کی توفیق دی اور یہ مقدس یادگار عرب کے سپرد کی جس پر عرب جتنا بھی چاہے فخر کر سکتا ہے۔

ہم نے جو حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا قدم آج کل کے میانہ قد انسان کا سا تھا۔ نہ آپ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

بخاری کے باب ''ابتدائے پیدائش'' میں جو آپؐ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت

ابراہیمؑ کی توصیف کی ہے:

فرماتے ہیں ”میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، میں آپ کی اولاد میں آپ سے سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔“

دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

”میں اولادِ ابراہیمؑ میں اُن سے بہت زیادہ مشابہ ہوں۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو۔“

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ”ہمارے نبی کے قدمِ مبارک ابراہیم خلیل اللہ کے قدم کے مشابہ ہیں۔ اسی کی طرف صاحب عمود النسب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وکلما طال البناء اذ نفعا — بہ المقام فی الھویٰ ورفعا

جتنی تعمیر بلند ہوتی گئی — مقام بھی بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ

بہ القواعد و فیہ القدم — تشبیھا لھاشی قدم

بنیادیں بلند ہو گئیں اور وہاں قدم ہے — جو بنی ہاشمی کے قدم کے مشابہ ہے

مقام کا مقام

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مقام ابراہیمؑ کا اصلی مقام کونسا ہے بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں مقام بیت اللہ کے پاس دھرا تھا، حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے ہٹا دیا۔ محبّ طبری نے حضرت امام مالک سے اپنی کتاب مدوّنہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کہ "مقامِ ابراہیمؑ" زمانہ ابراہیمؑ میں اُسی جگہ دھرا تھا جہاں اب ہے، دور جاہلیت میں لوگوں نے اُسے خانہ کعبہ سے ملا کر رکھ دیا کہ کہیں سیلاب میں بہ نہ جائے۔ رسولؐ اللہ اور عہد ابی بکر میں وہ یہیں رکھا تھا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اُسے اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیا۔

امام ازرقی نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ آج کل جس جگہ مقام دھرا ہے وہی جاہلیت میں اس کا مقام تھا، نبیؑ علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بھی وہ اسی جگہ رہا حتیٰ کہ خلافت عمرؓ میں سیلاب اسے بہا کر لے گیا اور خانہ کعبہ کے

سامنے حضرت عمرؓ نے اُسے صحابہ کے سامنے اس کے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

بخاری اپنی کتاب ینابع الکرم میں لکھتا ہے "امام نودی سے روایت ہے کہ مقام ابراہیمؑ جس جگہ آج کل ہے اسی جگہ دورِ جاہلیت میں تھا، رسولؐ اللہ کے دور میں بھی اور اس کے بعد بھی اسی جگہ رہا، کبھی یہاں سے نہیں ہٹا البتہ حضرت عمرؓ کے دور میں سیلاب آیا تھا تو یہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آپ نے اسے اس کی اصلی جگہ پر رکھ دیا اور وہ اب تک اپنی اسی اصلی جگہ پر ہے جہاں کہ تھا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے "مقامِ ابراہیمؑ حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے حضرت عمرؓ کے دور تک خانہ کعبہ کے متصل تھا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اُسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں کہ آج کل ہے۔ ابن ابی حاتم سے روایت ہے کہ مقام ابراہیمؑ خانہ کعبہ کے پاس تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے ہٹا دیا، سیلاب آیا تو بہا لے گیا۔ آپ نے پھر اُسی جگہ رکھ دیا۔ سفیان کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیت اللہ کے بالکل متصل دھرا تھا یا اس سے علیحدہ تھا۔"

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس فعل پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا اس پر گویا اجماع ہو گیا، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا کہ کعبہ کے متصل مقام کے دھرے رہنے سے طواف کرنے والوں کو تکلیف ہو گی۔ لہٰذا آپ نے اسے وہاں سے ہٹوا دیا۔ آپ ہی نے تو اُسے مصلّٰی بنانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اس آیت کی تفسیر واذجعلنا البیت مثابۃً للنّاس وآمنا کے بارے میں لکھتے ہیں "مقامِ ابراہیمؑ خانہ کعبہ کے بالکل متصل تھا اور آج کل وہ حجر کے قریب رکھا ہے، حضرت ابراہیمؑ جب تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اُسے

یہاں چھوڑ دیا تھا یا دیوارِ خانہ کعبہ سے ملا کر رکھ دیا تھا۔ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے اُسے ہٹا دیا جن کے اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جن کی مرضی کے مطابق اس سلسلہ میں وحی کا نزول ہوا تھا۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات کی تشریح میں لکھتے ہیں "جب رسولؐ اللہ نے مکہ فتح کیا اور عثمان بن ابی الفتح سے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا تو بتوں کے ساتھ مقامِ ابراہیمؑ کو بھی باہر رکھ دیوارِ کعبہ کے برابر رکھ دیا اور فرمایا "اے لوگو یہ قبلہ ہے۔" یہ پوری روایت تفصیل کے ساتھ دوسری جلد کے ۴۹۲ صفحہ پر ہے۔ ہم نے مختصراً درج کی ہے۔

عمری نے مسالک الابصار میں لکھا ہے:

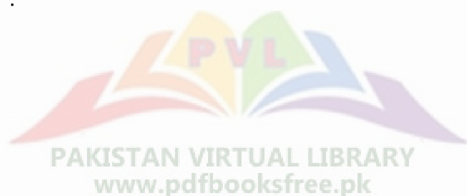
"مقام ابراہیمؑ۔ خلوق (غارِ کعبہ) کے پاس تھا، رسولؐ اللہ نے طواف سے فارغ ہو کر یہاں نماز پڑھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی:

واتخذ وامن مقام ابراهيم مصلّٰى۔

پھر رسول اللہؐ نے اسے اس مقام پر رکھ دیا جہاں وہ آج کل ہے یعنی خانہ کعبہ سے بیس ہاتھ کے فاصلہ پر۔"

ابن سراقہ نے روایت کی ہے کہ "بابِ کعبہ اور مصلائے ابراہیمؑ کے درمیان نو ہاتھ کا فاصلہ تھا، رسول اللہؐ نے طواف سے فارغ ہونے کے بعد یہاں نماز پڑھی اور آیت واتخذو امن مقام ابراهيم مصلّٰى نازل ہوئی، پھر رسول اللہؐ نے اس مقام پر اُسے رکھ دیا جہاں وہ اب ہے یعنی بیس ہاتھ کے فاصلہ پر تاکہ طواف کرنے والوں کو دشواری نہ ہو، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں سیلاب اس پتھر کو مکہ کے زیریں

علاقہ کی طرف لے گیا تو حضرت عمرؓ اسے اٹھا لائے اور اسی مقام پر رکھ دیا جہاں رسولؐ اللہ نے رکھا تھا۔ (تاریخ عمارت مسجد حرام)



مقام کے بارے میں صحیح قول

ہم نے مذکورہ بالا اقوال بغیر کسی حاشیہ و شرح کے نقل کر دیے اب ہم اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

حدودِ حرم کے گذشتہ بیان کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان امور پر غور کیجئے کہ بیت اللہ کی جگہ پہلے ایک بلند ٹیلہ تھا جہاں ریت اور کنکریاں تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کو گٹے چونے سے نہیں بنایا تھا نہ اس پر چھت ڈالی تھی اور یہ کہ دورِ جاہلیت میں لوگ خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے اور یہ کہ مسجد حرام چھوٹی سی تھی اور اس کے اِردگرد کوئی چار دیواری نہ تھی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے ایک چھوٹی سی دیوار بنائی اور اس میں توسیع کی۔

ان باتوں پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بات وہ ہے جو بیہقی نے اپنی سنن میں ذکر کی ہے کہ رسولؐ اللہ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں مقام، خانہ کعبہ کے پاس دھرا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے اٹھوا دیا۔ اسی طرح ابن حجر العسقلانی کہتا ہے کہ مقام، دورِ ابراہیمیؑ میں خانہ کعبہ کے متصل تھا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اسے یہاں سے ہٹوا دیا۔ یہی بات ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ مقام، خانہ کعبہ کے پاس

تھا حضرت عمرؓ نے اسے ہٹا دیا۔

ابن کثیر کا بیان بہت واضح ہے بالخصوص ابن مردویہ کا یہ قول، کہ مقامِ ابراہیمؑ، کعبہ کے اندر تھا۔ رسول اللہ نے نکال کر دیوارِ کعبہ کے پاس رکھ دیا۔

ہم ان ہی چاروں اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ بات قرین عقل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کے بعد یہ پتھر دیوار کے قریب ہی ڈال دیا ہوگا نہ یہ کہ اُسے دُور پھینک دیا ہوگا، پھر یہ کہ یہ پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے تھا اور خاتم النبیین کی اُمت کا اسے قبلہ بننا تھا۔

اس کی تائید تاریخ ازرقی کی جلد دوم کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کیا ''اے لوگو! اس گھر کی طرف حج کے لیے آؤ۔'' جب آپ اس اعلان سے فارغ ہو گئے تو مقام کے بارے میں حکم دیا کہ اسے نماز کے لیے قبلہ بنایا جائے، ان کے بعد حضرت اسماعیلؑ بھی اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

اس بات پر غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے مقام کو خانہ کعبہ کے پاس ہی رکھایا ہوگا۔ کئی گز دُور اسے نہ پھینکا ہوگا۔ دور جاہلیت میں بھی سیلاب کے خوف سے اُسے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا گیا تھا۔

اب بخاری کی روایت پر غور کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت نے اسے کیوں خانہ کعبہ سے دُور رکھا اور اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ انہوں نے اس پتھر کو قابلِ احترام نہیں سمجھا بلکہ اپنے گھروں کے دروازے کے پاس پھینک دیا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ پتھر

حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے۔

اسلام نے اِس پتھر کے احترام کو اور زیادہ کر دیا۔ اگرچہ حجر اسود زیادہ محترم ہے کیونکہ وہ یمین اللہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، قیامت کے دن وہ سنے گا اور دیکھے گا اور جنہوں نے اسے چوما ہے ان کی گواہی دے گا۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ حجر اسود بھی جنت کا یاقوت ہے۔

حجر اسود اور مقام سب سے پرانے دینی مقدس پتھر ہیں۔ ان پر ہزاروں سال گذر چکے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک وہ اسی طرح محترم رہیں گے۔

ازرقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''حجر اسود کو اکثر بوسہ دیا کرو کیونکہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم لوگ ایک شب طواف کرتے ہوئے ہوں گے اور وہ غائب ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ جنت کی کوئی بھی چیز زمین پر نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ اسے قیامت کے آنے سے پہلے اُٹھا نہ لے۔''

ازرقی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت درج کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''قیامت سے قبل اللہ تعالیٰ قرآن کو لوگوں کے سینوں سے اٹھا لے گا اور حجر اسود کو بھی اُٹھا لے گا۔''

مقامِ ابراہیمؑ کا موجودہ مقام

مقامِ ابراہیمؑ کو موجودہ مقام پر رکھنے والے حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں۔

اِن کی خلافت کے زمانہ میں وہ سیلاب آیا تھا جو امّ نہشل کے سیلاب کے نام سے مشہور ہے یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے، سیلاب، مسجد حرام میں داخل ہو گیا اور مقام کو بہا کر لے گیا۔ جب پانی خشک ہو گیا تو لوگوں نے اُسے مکہ کے زیرین علاقہ میں پایا۔ لوگ اُسے اُٹھا کر لائے اور خانہ کعبہ کے سامنے لگا دیا اور اس کے پردوں سے اُسے باندھ دیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے۔

آپ کو پتا چلا تو گھبرا گئے اور فوراً وہاں سے روانہ ہوئے۔ اسی سال رمضان کے مہینہ میں عمرہ کی حالت میں آپ مکہ میں داخل ہوئے، جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حجر میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا "میں خدا کی قسم دیتا ہوں اس شخص کو جسے اس مقام کا کچھ علم ہو کہ وہ مجھے اس کا اصلی مقام بتائے" یہ سن کر مطلب بن ابی وداعہ آگے بڑھے اور عرض کی "امیر المومنین! مجھے اس کا پورا علم ہے۔ مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ اس مقام کے ساتھ کوئی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا لہٰذا میں نے اس کے مقام کی صحیح پیمائش کر لی تھی اور وہ پیمائش میرے گھر میں دھری ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا ''میرے پاس بیٹھ جاؤ اور وہ ناپ اپنے گھر سے منگاؤ۔''
چنانچہ وہ رسّی منگائی گئی۔ آپ نے اسے دراز کیا تو موجود مقام تک پہنچی، پھر لوگوں سے مشورہ کیا اور دریافت کیا تو انہوں نے کہا ''ہاں یہی اس کا صحیح مقام ہے۔''

جب آپ کو اس کا پورا پورا یقین ہو گیا تو اسے موجود مقام پر رکھ دیا۔

(دیکھو تاریخ ازرقی۔ ہم نے یہ بیان مختصراً لیا ہے)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اِمّ نہشل کے سیلاب سے پہلے مقامِ ابراہیم اسی موجودہ مقام پر تھا اور حضرت عمرؓ نے اسے اس کے اصلی مقام پر دھرا ہے۔ یہ بات ابن ابی ملیکہ، العمری اور ابن سراقہ کے قول کے مطابق ہے، جنہیں ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔

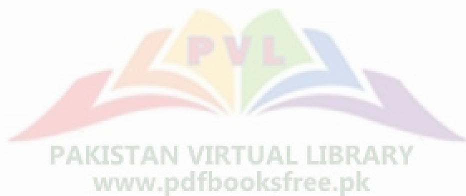
اگر بالفرض محال سیلاب سے قبل یہ مقام، موجود مقام پر نہ تھا تب بھی چونکہ حضرت عمرؓ نے بمشورۂ صحابہ اُسے یہاں رکھا ہے، لہٰذا ہمیں ان کا اتباع کرنا چاہیے اور ان کے طریقہ کار کو درست سمجھنا چاہیے۔

اگر حضرت عمرؓ نے طواف کرنے والوں کی سہولت کی بناء پر مقام کو یہاں تک ہٹایا جیسا کہ ابن حجر عسقلانی کہتا ہے، تب بھی ہم کہیں گے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے صحیح مقام ہی پر اسے دھرا ہے اور یہ آپ کی کرامت ہے کہ اسے اس کے صحیح مقام پر رکھ دیا۔ اگر آج یہ مقام خانہ کعبہ کے پاس ہوتا تو بتائیے لوگ کیسے طواف کرتے اور کیسے نماز پڑھتے۔

اگر حضرت عمرؓ ہمارے دور میں زندہ ہوتے اور حاجیوں کی اس قدر کثرت دیکھتے تو ضرور اس مقام کو یہاں سے بھی دُور رکھا دیتے۔ واللہ اعلم۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے فضائل کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص کے فضائل کا کون احاطہ کر سکتا ہے جس کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا ہو حتیٰ کہ اس مقام کے بارے میں بھی آپ ہی کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی۔ آپ کے لیے رسولؐ اللہ کی یہی حدیث بہت کافی ہے کہ فرمایا ''ہر قوم میں مجدد ہوتے ہیں میری اُمت میں عمرؓ مجدد ہیں۔'' ایک اور ارشاد ہے ''اللہ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور اس کے دل پر جاری کر دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کو جزائے خیر دے۔



اضافہ عمرؓ

جب حضرت عمرؓ مقام کے معاملہ سے فارغ ہو گئے تو آپ نے دیکھا کہ کثرتِ حجاج کی وجہ سے مسجد حرام تنگ ہو گئی ہے۔ لہٰذا آپ نے آس پاس کے گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیے اور اس کے اِردگرد ایک دیوار قد آدم سے کم بنا دی اور آنے جانے کے لیے دروازے بنا دیے مگر چھت نہ ڈالی، چھت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ڈالی جبکہ آپ نے اس میں اضافہ کرایا، پتا نہیں پوری چھت ڈلوائی تھی یا تھوڑی؟

پھر عبدالملک بن مروان نے اس کی دیواریں بلند کرائیں اور خوبصورت عمارت بنوائی مگر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ (مزید تفصیلات کے لیے تاریخ کی کتابیں دیکھیے)

حضرت عمرؓ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسجد حرام میں اضافہ کیا، سب سے پہلے آپ ہی نے مسجد کی چار دیواری بنوائی اور سب سے پہلے سیلاب کی رکاوٹ کے لیے آپ ہی نے بند بندھوایا، عنقریب ہم اس کی تفصیل کریں گے۔

سب سے پہلے مقامِ ابراہیمؑ کو اس کے اصلی مقام پر رکھنے کے بعد آپ نے اُس کے پیچھے نماز پڑھی، امام سیوطی نے اسی طرح بیان کیا ہے، سب سے پہلے مسجد حرام کی زمین پر کنکریاں ڈلوائیں، مگر سب سے پہلے مسجد نبوی میں کنکریاں ڈلوائی گئی تھیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "ایک رات سخت بارش ہوئی، ہم صبح کی نماز کے لیے نکلے لہٰذا لوگ اپنی اپنی چادروں میں کنکریاں اٹھا کر لائے اور اپنی اپنی جگہ پر بچھا کر نماز پڑھنے لگے، رسولؐ اللہ نے جو یہ دیکھا تو فرمایا "واہ کیا اچھا فرش ہے۔" پھر حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وادی عقیق سے سنگریزے منگوا کر مسجد نبوی میں فرش کرایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے توسیع کراتے وقت سب سے پہلے مسجد میں سائبان بنوائے۔ تاریخ المسجد الحرام کا مصنف، ابن فہد کی کتاب اتحاف الوریٰ سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "۸۳۰ھ میں لوگوں نے مسجد حرام کو بیل سے جتوایا پھر اس میں کنکریاں ڈالیں۔"

بخاری، علامہ مرشدی سے روایت کرتا ہے کہ مسجد حرام کے چاروں راستے معہ اُس فرش کے جو مقام حنفی کے پیچھے ہے اور جو اس کے دونوں جانب منبر کے سامنے ہے یہ سب کے سب فرش نئے بنائے گئے ہیں جبکہ مطاف میں سنگ مرمر کا فرش کیا گیا یہ واقعہ ۱۰۰۳ھ کا ہے۔

لوگ مطاف میں سے جو پتھر وغیرہ اکھاڑتے تھے۔ انہیں ان مقامات پر ڈالتے جاتے تھے۔

تحصیل المرام میں مذکور ہے کہ لوگوں نے راستے بنائے او باب الصفا والی راہ میں اضافہ کیا۔ بابِ علیؓ کی راہ بنائی گئی، حرم کے بعض ستونوں کو درست کیا گیا، باب الزیادہ کے پاس چبوترہ بنایا اور اس کے اوپر فرش بنایا۔ یہ سب کام سلطان عبدالمجید خان کے حکم سے ۱۰۵۷ھ میں ہوئے۔

ایک لطیفہ

ایک شخص نے عمر بن القیس سے دریافت کیا کہ "حرم میں سجدہ کی حالت میں جو سنگریزے پیشانی، موزوں اور کپڑوں کو لگ جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "انہیں جھاڑ دینا چاہیے۔" وہ شخص بولا "سنا ہے کہ جب تک وہ سنگ ریزے حرم میں نہ لوٹائے جائیں چیختے رہتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "تو انہیں چیختے چیختے ان کا حلق پھٹ جائے۔" وہ شخص بولا "سبحان اللہ! سنگریزوں کے بھی کہیں حلق ہوتا ہے۔" آپ نے فرمایا "تو پھر کیسے چیختے ہیں؟"

سّدِ عمرؓ

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسجد حرام اور اس کے اردگرد کے علاقے میں سیلاب آتا رہتا ہے لہٰذا کسی طرح پانی کی راہ کو روکنا چاہیے تو آپ نے مدعا کی جانب یعنی مکہ کے بالائی حصے میں ایک بند باندھا اور اسے بڑے بڑے پتھروں اور مٹی اور سنگریزوں سے بنایا، اس کے بعد جیسا کہ ابو الولید نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ پانی اس پر نہ چڑھ سکا۔

۲۰۲ھ میں سیلاب ابن حنظلہ آیا اور اس سد کے کچھ پتھر ہٹ گئے تو بڑی بڑی چٹانیں نظر آئیں، دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ ہم نے اتنی بڑی بڑی چٹانیں نہیں دیکھیں۔ یہ سیلاب مامون الرشید کے دور میں آیا جبکہ مکہ کا گورنر یزید بن محمد بن حنظلہ المخزومی تھا۔ لہٰذا اسے سیلابِ ابن حنظلہ کہنے لگے۔ اس سیلاب کا پانی خانہ کعبہ کے چاروں طرف آگیا تھا۔ اور رکن سے گز بھر کے فاصلے تک پہنچ گیا تھا۔

حجر اَسود کا فریم

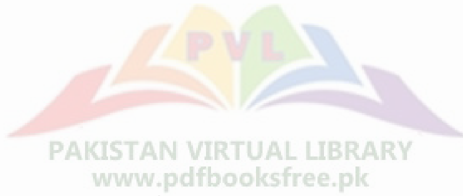
سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حجر اسود پر چاندی چڑھوائی، وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی تھی، جس سے رکن اَسود بھی جل گیا تھا اور پھٹ کر تین ٹکڑے ہو گیا تھا، لہٰذا آپ نے اسے چاندی سے بندھوا دیا۔

ابوعون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا حجر اسود پھٹ گیا ہے اور جلنے کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا ہے مگر اس کے داخلی حصہ کو دیکھو تو اب تک چاندی کی طرح چمکتا ہے۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے حجر اسود کو پورا دیکھا تھا میں نے اُن سے سنا ہے کہ اُن میں سے بعض لوگوں نے تو یہ کہا کہ جو حصہ حجر اسود کا دیوارِ خانہ کعبہ کے اندر ہے وہ سرخ ہے اور بعض نے کہا کہ سپید ہے۔

۱۲۶۸ھ میں سلطان عبدالمجید خان نے سب سے پہلے حجر اسود کو سونے میں مڑھوایا۔ پھر ۱۲۸۱ھ میں سلطان عبدالعزیز خان نے اسے چاندی سے مڑھوایا، پھر ۱۳۳۱ھ میں اس کی چاندی موجودہ چاندی سے بدلی گئی۔ یہ واقعہ سلطان محمد ارشاد خاں کے دور کا ہے۔ پھر ۱۳۶۶ھ میں اس فریم کی اصلاح کی گئی۔

حجر اسود کی موجودہ شکل میں جگہ جگہ ٹوٹ پھوٹ کے نشانات ہیں، وجہ یہ کہ کئی بار بعض مجرموں نے اس پر حملے کیے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے۔ آج سے چالیس سال پیشتر کی تصویر میں حجر اسود میں پندرہ جوڑ ملتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں صرف اس کے بعض ٹکڑے کھول دیے گئے ہیں، مکمل حجر اسود تو خانہ کعبہ کی دیوار کے اندر ہے۔ کیونکہ دورِ حاضر میں بھی ایک مجرم نے حجر اسود پر حملہ کیا تھا اور اس سے کچھ ریزے اُڑے تھے جنہیں موم وغیرہ سے جوڑ کر اندر بل لگا دیا گیا۔



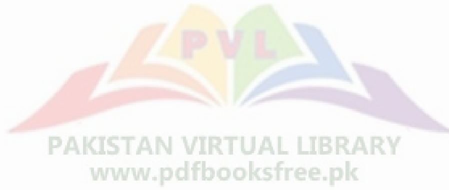
مقامِ ابراہیمؑ کا فریم

سب سے پہلے مقامِ ابراہیمؑ کو امیر المومنین محمد الھدی العباسی نے سونے سے مڑھوایا، یہ واقعہ ۱۶۱ھ کا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ مقامِ ابراہیمؑ پر عرصہ دراز گذرنے کی وجہ سے اس کے پھٹ جانے کا ڈر ہے تو اس نے ہزار دینار بھیجے جنہیں پگلا کر مقامِ ابراہیمؑ پر چڑھا دیا گیا۔ پھر ۱۷۹ھ میں ہارون الرشید نے دیکھا سونے کا فریم ڈھیلا پڑ گیا ہے تو اس نے اس کی اصلاح کا حکم دیا۔ مقامِ ابراہیمؑ میں ہیرے کے ذریعہ سوراخ کیا گیا اور اس میں سونا پگھلا دیا گیا، پھر امیر المومنین جعفر المتوکل نے اس سونے پر اچھا عمدہ سونا چڑھوایا اور خوب مضبوط کرا دیا۔ یہ واقعہ ۲۳۶ھ کا ہے۔

بیت اللہ کے خادموں نے مکہ کے گورنر علی بن الحسن العباسی سے ذکر کیا کہ مقامِ ابراہیم کے تلف ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس نے دو فریم بنوائے ایک سونے کا اور ایک چاندی کا۔ یہ واقعہ محرم ۲۵۶ھ کا ہے، اس نے مقام کو دفتر امارت میں منگایا اور گندھک کے ذریعہ ایسی جڑی بوٹیاں پگھلائی گئیں جن سے پتھر جڑ گیا ورنہ اس سے قبل اس کے سات ٹکڑے تھے۔ اور امیر المومنین المعتمد العباسی کے غلام بشر نے

اُسے مضبوطی سے باندھا، پھر اس پر دونوں طوق چڑھائے گئے اور اپنے مقام پر رکھ دیا گیا۔ یہ واقعہ پیر کے دن ۸ ربیع الاوّل ۲۵۶ھ میں ہوا۔ فاسی نے بیان کیا ہے کہ یہ فاکھی کے بیان کا خلاصہ ہے۔

اتحافِ فضلاء الزمن کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بیگ نے مقام ابراہیم کی اصلاح وتجدید کی اور اس کے سونے اور چاندی کی تجدید کی اور سونے اور چاندی کے درمیان رانگ ڈلوایا یہ واقعہ ۱۱۱۲ھ کا ہے۔



مقام کا حجرہ

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے لے کر اسلام کے دور تک خانہ کعبہ میں سیلاب آتے رہے اور مقامِ ابراہیمؑ کو لوگ ازراہِ ترک چھوتے چومتے رہے لہٰذا ضروری تھا کہ یہ پتھر کمزور پڑ جاتا اور ٹوٹ جاتا۔ اسلام نے اس کی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو لوگوں کا اژدہام اور زیادہ ہو گیا، اس لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کے لیے ایک حجرہ بنا دیا جائے تاکہ عام لوگوں کے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں۔

اِس سے پیشتر مقامِ کریم ایک کرسی پر دھرا تھا جس پر ٹین چڑھا ہوا تھا۔ ۲۴۱ھ میں امیر المومنین محمد المستعصر باللہ نے ٹین کو چاندی سے بدلوا دیا، ازرقی نے اخبارِ مکہ میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ صندوق کس نے بنوایا۔ خیال یہ ہے کہ ۸۱۰ھ میں تابوت بنایا گیا۔ البتہ حجرہ اس سے پیشتر بھی موجود تھا۔ چنانچہ ابن جبیر اندلسی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے، ابن جبیر نے ۵۷۸ھ میں حج کیا تھا۔ "مقامِ ابراہیمؑ کا ایک قبہ ہے جو لوہے کا بنا ہوا ہے اور زمزم کے پاس دھرا ہے۔ جب حج کے دن

آتے ہیں اور اژدہام ہو جاتا ہے تو لکڑی کا قبہ اٹھا لیا جاتا ہے اور لوہے کا قبہ رکھ دیا جاتا ہے۔

مقام کے ایک ستون پر لکھا ہے کہ اس کی تجدید ۸۵۸ھ میں ہوئی، ابن فہد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ۷۴۸ھ میں ابن ہلال نے لوہے کا پنجرہ بنوایا۔ پھر ۹۰۰ھ میں مقام کی چھت اور قبہ کی تجدید ہوئی۔ یہ تجدید محمد بن عبداللہ الرومی نے ملک اشرف قانصوہ الغوری کے حکم سے کی، پھر اس کی تجدید سلیمان بن سلطان سلیم خاں نے کرائی جیسا کہ کعبہ کے سامنے والے دروازے پر لکھا ہے۔ سنگ مرمر کا جو منبر حرم میں ہے وہ اسی پادشاہ کا ہدیہ دیا ہوا ہے، پھر ۱۰۰۱ھ میں اس کی تجدید ہوئی، پھر ۱۰۴۹ھ میں سلطان مراد بن احمد نے تجدید کرائی پھر آغا محمد نے سلطان محمد بن ابراہیم کے حکم سے قبہ کے نقش و نگار پر ۱۰۷۲ھ میں زر کثیر صرف کیا، پھر محمد بیگ نے ۱۰۹۹ھ میں تجدید کرائی، پھر ابراہیم بیگ نے سارے مقامِ ابراہیم کی تجدید کی، سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ قبہ کو بدلوایا، سونے کے پانی کے نقش و نگار کرائے اور مقام کو چاندی سے مضبوط بندھوایا اور قدمِ شریف پر سونا پھری چاندی چڑھوائی۔ یہ واقعہ ۱۱۱۲ھ کا ہے۔ پھر محمد آفندی معمار نے صندوقِ مقام کو بدلا اور نئی لکڑی لگا کر اس کے سابقہ خول کو صاف کر کے لگا دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۳۳ھ کا ہے۔ پھر سلطان عبدالعزیز عثمانی نے مقام کا قبہ ڈیڑھ گز بلند کرایا اور مسجد حرام کی ترمیم کرائی، یہ واقعہ ۱۲۷۹ھ کا ہے ہمیں پتا نہیں کہ اِس کے بعد کسی نے کوئی ترمیم و تعمیر کی یا نہیں۔

تاریخ ازرقی مطبوعہ مطبع ماجدیہ کی دوسری جلد کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"۱۲۲۵ھ میں سعودِ عزیز نے ساتواں حج کیا، ابن بشر کہتا ہے

کہ سعود نے قبہ کھلوایا اور قدمِ شریف نکلوایا۔ میں نے اور بہت
سے اہلِ مکہ نے اس کی زیارت کی، میں نے دیکھا کہ یہ مربع
شکل کا سفید پتھر ہے جس کی لمبائی ایک ہاتھ ہے اس پر زرد
رنگ کی دھات چڑھی ہے۔ مجھے معلوم نہیں یہ سونا ہے یا
پیتل۔ یہ فریم پتھر کے چاروں طرف ہے اور اس پر یہ آیتیں
کندہ ہیں:

ان ابراھیم کان اُمّة قانتا للّٰہ حنیفا ولم یک من المشرکین
شاکراً لانعمہ اجتبٰہ واھداہ الی صراطٍ مّستقیم وآتینٰہ فی
الدّنیا حسنة وانّہٗ فی الاخرة لمن الصّٰلحین. ثم اوحینا
الیک ان اتّبع ملّة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین۔

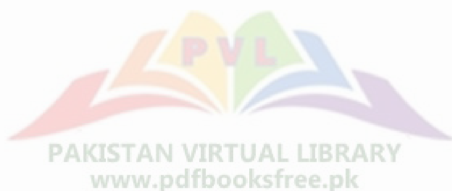
دونوں قدم شریف پر مٹی چڑھی ہوئی تھی لہٰذا میں ان کے چاروں طرف کے حصوں
کو نہ دیکھ سکا۔ قدم شریف اور پگھلائی ہوئی دھات کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہے۔"

ہمارے دور یعنی چودھویں صدی ہجری میں، مقام، لکڑی کے تابوت میں ہے۔
اس پر حریر کا غلاف پڑا ہے۔ جس پر قرآنی آیات لکھی ہیں، تابوت کے اِردگرد پیتل
کا جنگلہ ہے جو چار مضبوط ستونوں پر کھڑا ہوا ہے اور چھت پر چھوٹا سا قبہ ہے۔

موجودہ قبہ معلوم نہیں کس کا بنایا ہوا ہے۔ آیا ابراہیم بیگ کا بنایا ہوا ہے جس
نے ۱۲۱۲ھ میں تعمیرات کی تھیں یا عبدالعزیز سلطانی کی یہ تعمیر ہے جس نے قبہ کو بلند
کرایا تھا، یا اس کے بعد کی تعمیر ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعود عبدالعزیز نے ۱۲۲۵ھ میں حجرہ کو گروایا نہیں تھا

البتہ قبہ کھلوایا تھا۔ نہ اس نے لوہے کا پنجرہ تڑوایا، صرف قبہ کی چھت بدلوائی تھی اور مقام کا پردہ اور لکڑی کا صندوق اُٹھا دیا تھا۔



مقام کا غلاف

مقام پر غلاف چڑھانے کی ابتداء دولت عثمانیہ میں ہوئی۔ ان کے سلاطین کی عادت تھی کہ وہ مقام پر اسی قسم کا غلاف چڑھواتے تھے جیسا خانہ کعبہ پر چڑھواتے تھے۔ یہ غلاف سیاہ رنگ کا ہوتا اور چاندی کے سونے چڑھے تار سے منقش ہوتا تھا۔ یہ غلاف لکڑی کے صندوق پر چڑھوایا جاتا جو لوہے کے کٹہرے میں ہے۔ یہ غلاف، غلافِ کعبہ کے ساتھ ہر سال دولت عثمانیہ کے زمانے میں مصر سے آیا کرتا تھا۔ کبھی مقامِ ابراہیمؑ کا غلاف پانچ سال میں آتا تھا۔ پھر کئی سال سے آج تک غلاف نہیں آیا۔ موجودہ غلاف سترہ سال کا ہے۔

مقام پر غلاف چڑھانے سے مقام کی زیارت نہیں ہوسکتی، صحابہ و تابعین نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ یہ بدعت دولت عثمانیہ نے کی، اگر یہاں کوئی قبر یا کوئی راز کی بات ہوتی یا ایسی جگہ ہوتی جہاں دھوپ یا چاندنی کا گذر ہوتا ہے اور کسی نقصان کے پہنچنے کا خدشہ ہوتا تو غلاف ڈالنا کچھ موزوں بھی ہوتا۔

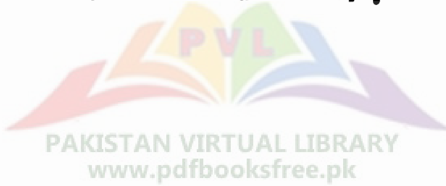
جب کہ یہاں وہ پتھر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" اور فرمایا "فیہ آیات بینات مقام

ابراھیم" تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو کھلا رکھا جائے تا کہ مسلمان اُس کی زیارت کر سکیں، پردے سے چھپانا تو خواہ مخواہ کے وساوس ڈالنا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو اگر پردہ اور لکڑی کا صندوق اٹھا دیا جائے اور آئینہ کا صندوق بنا کر رکھ دیا جائے کہ نہ سیلاب اثر کر سکے نہ گرد و غبار پہنچ سکے اور نہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکیں، میرے خیال میں اگر ایسا کر دیا جائے گا تو تمام مسلمان اس کام کی تعریف کریں گے۔

اس حجرہ میں چاروں طرف شیشہ کے کواڑ ہونے چاہئیں اور رات میں اس کے اندر بجلی کی روشنی ہونی چاہیے تا کہ ہر ایک اچھی طرح دیکھ سکے۔



منبر

منبر مقامِ ابراہیمؑ کے پاس دھرا ہے۔ اس کے اور مقام کے درمیان چار میٹر کا فاصلہ ہے، اس کی چودہ سیڑھیاں ہیں، لمبائی پانسو اسّی سنٹی میٹر ہے اور عرض ۱۸۶ سنٹی میٹر ہے۔ بلندی کا ہم نے اندازہ نہیں لگایا۔ یہ منبر مسجد حرام کے لیے ۹۶۶ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم خان نے بھیجا تھا۔

افادۃ الانام کی پہلی جلد صفحہ ۳۲۹ پر مرقوم ہے کہ تحصیل المرام اور تاریخ سیّد مصطفیٰ میں مرقوم ہے کہ "۹۶۵ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم خاں نے، مسجد حرام کا منبر بنوایا، جب لوگ منبر کے رکھنے کے لیے بنیاد کھودنے لگے تو دو مردِ مجاہد آلاتِ حرب سے لیس نکلے جن کے لاشے بالکل صحیح سالم تھے۔ لوگوں کا ان دونوں کے بارے میں اختلاف ہوا مگر مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ایک تو حضرت عبداللہ بن عثمان ہیں کیونکہ وہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ شہید ہوئے اور مسجد حرام میں دفن کر دیے گئے تھے، کہیں حجاج کے آدمی آپ کی قبر نہ اُکھاڑیں اور دوسرے عبداللہ بن صفوان ہیں۔"

یہ منبر نہایت سپید سنگ مرمر کا ہے، جو ہاتھی دانت کا سا بنا ہوا لگتا ہے اور جوفن

و آرٹ کا بہترین نمونہ ہے اور ترکی صنعت کا مجسمہ ہے، پھر اس پر کتنے عمدہ نقش و نگار ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس منبر پر چار سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی لطافت و نفاست پر حسب سابق ہے نہ بارش سے متاثر ہوا نہ دھوپ اور ہواؤں سے۔

مکہ میں سب سے پہلے منبر پر حضرت معاویہ نے خطبہ دیا، آپ اپنی خلافت کے دور میں شام سے حج کرنے کے لیے آئے تو منبر پر خطبہ دیا مگر آپ کے منبر کی صرف تین سیڑھیاں تھیں، ان کا منبر مکہ میں باقی رہا حتیٰ کہ ہارون الرشید اپنی خلافت کے زمانے میں حج کرنے کے لیے آیا تو اس کے گورنر مصر نے ایک بڑا بھاری منبر سات سیڑھیوں والا بھیجا، مکہ کا یہی منبر ہو گیا۔

خلفاء اور گورنر، حضرت معاویہ کے منبر سے پہلے جمعہ کا خطبہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔

مقام کا تحفظ

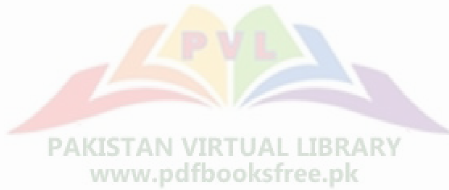
چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مقامِ ابراہیمؑ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لٰہذا ہم پر اس کی حفاظت واجب ہو جاتی ہے جس طرح ہم حجر اسود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمیں حضرت عمرؓ کی پیروی کرنی چاہیے کہ آپ مدینہ میں تھے آپ کو معلوم ہوا کہ سیلاب مقامِ ابراہیمؑ کو بہا لے گیا تو آپ فوراً وہاں سے روانہ ہوئے، مکہ تشریف لائے اور مقام کا اہتمام کیا۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کرائی تو حجر اسود کو حریر میں لپیٹ کر، مقفل صندوق میں رکھ کر دارالندوہ میں رکھ دیا اور پھر بحفاظت کعبہ کی دیوار میں لگوا دیا۔

یہ سب کچھ انتظام آپ نے حجر اسود کی حفاظت کے لیے کیا، مقام بھی اسی طرح ہمارے لیے محترم ہے، دورِ جاہلیت میں بھی لوگوں نے مقام کو خانہ کعبہ کے اندر رکھا تھا اور اسلامی دور میں بھی کبھی کبھی حفاظت کی غرض سے کعبہ کے اندر رکھا گیا جیسا کہ فاسی نے شفاء الغرام میں لکھا ہے۔

صدرِ اسلام میں اگرچہ مقام زمین پر دھرا تھا مگر وہ زمانہ دین و ایمان کا تھا۔

آج کل اُسے اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا، کتنی دفعہ فتنہ پردازوں نے حجر اسود پر حملے کیے، حتیٰ کہ اُسے توڑ ڈالا۔ اس گمراہی کے دور میں جب کہ فتنہ وفساد عام ہو گیا ہے مقامِ ابراہیمؑ کس طرح کھلے مقام پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔



فوائد تحفظ

حجرہ میں مقامِ ابراہیمؑ کے رکھنے کے کئی فائدے ہیں:

۱۔ تلف و تغیر سے محفوظ رہے گا اور لوگوں کے چھونے، بارش، گرد و غبار اور ہواؤں کے چلنے سے خراب نہیں ہوگا۔ اگر یہ مقامِ کریم زمانہ جاہلیت ہی سے کسی چیز کے اندر محفوظ رہتا تو نہ ٹوٹتا اور اصلاح و مرمت طلب بھی نہ ہوتا۔

۲۔ چوری یا بے عقیدہ لوگوں کی توڑ پھوڑ سے محفوظ رہے گا، جیسا کہ حجر اسود کے سلسلہ میں کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے مشہور حادثہ قرامطہ کا ہے جن کا ۳۱۷ھ میں مکہ پر قبضہ ہو گیا تھا اور انہوں نے یومِ ترویہ یعنی ۸ ذوالحجہ میں حاجیوں کا قتل عام کرا دیا تھا اور چاہِ زمزم میں ان کی لاشوں کو پھینکوا دیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے مقامِ ابراہیمؑ کے لے جانے کی بھی ٹھانی تھی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے تھے کیونکہ خانہ کعبہ کے مجاوروں نے اُسے مکہ کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا تھا، اس پر انہیں غصہ آ گیا اور وہ حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر ہجر (بحرین) لے

گئے۔ پھر ۳۳۹ھ میں انہوں نے حجر اسود کو مکہ بھیج دیا۔ یہ واقعہ
مطیع للہ الفضل بن المقتدر کے دور کا ہے۔

علامہ ابن ظہیرۃ القرشی الجامع اللطیف میں لکھتے ہیں:

''روایت ہے کہ ایک یہودی یا نصرانی مکہ میں رہتا تھا اس کا
نام جریج تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا ایک رات مقامِ ابراہیم غائب
ہو گیا۔ تلاش کیا گیا تو اس کے پاس سے ملا۔ وہ یہ چاہتا تھا
کہ اسے ملک روم کے پاس بھیج دے، یہ مقامِ کریم اس سے
چھین لیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

۳۔ لوگ بدعت سے محفوظ رہیں گے کیونکہ مقام کو بوسہ دینا، چھونا وغیرہ بدعت
ہے۔ اسلام نے اس کا حکم نہیں کیا۔ البتہ صرف نماز پڑھنے کے لیے کہا ہے،
ہاں رکن اسود اور رکن یمانی کا چھونا اور چومنا مسنون ہے۔

ازرقی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ''عبید بن عمیر نے ابن عمر سے کہا ''میں دیکھتا
ہوں کہ آپ ان دونوں رکنوں کو بہت زیادہ بوسہ دیتے ہیں۔'' انہوں نے فرمایا ''میں
نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ان کے چومنے سے گناہ مٹتے ہیں۔''

ابن عمر نے رسولؐ اللہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ ''رسولؐ اللہ رکن اسود
اور رکن یمانی کو ہر طواف میں چومتے تھے اور دوسرے دو رکنوں کو نہیں چومتے تھے۔''

عکرمہ سے روایت ہے کہ ''جب عمر بن الخطابؓ رکن کے پاس پہنچتے تو
فرماتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، میرا
پروردگار تو ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر میں رسولؐ اللہ کو چھوتے اور

چومتے نہ دیکھتا، تو ہرگز تجھے نہ چومتا اور نہ بوسہ دیتا۔“

ان دونوں رکنوں کے چھونے اور چومنے میں یہ شرط ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ازرقی نے اپنی تاریخ میں رسولؐ اللہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے رسولؐ اللہ نے فرمایا ”اے عمر! تم قوی آدمی ہو، کمزوروں کو تکلیف دیتے ہو، جب دیکھو کہ رش نہیں ہے تب رکنوں کو بوسہ دو ورنہ تکبیر کہو اور گذر جاؤ۔“

ازرقی نے حضرت عطاء کی روایت بھی درج کی ہے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ”انہوں نے فرمایا۔ جب رکنوں کے پاس اژدہام دیکھو تو نہ کسی کو تکلیف دو، نہ خود تکلیف اٹھاؤ۔“

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کا پورا پورا اتباع کریں اور سلف صالحین کے مسلک کے مطابق چلیں اور کسی کو خلاف کرتے دیکھیں تو اُسے نرمی سے سمجھا دیں۔

حجر اسماعیلؑ اور ان کی قبر

حجر اسماعیلؑ اس دیوار کو کہتے ہیں جو قد آدم سے کم پر نالہ کی جانب، نصف دائرے کی شکل میں ہے، یہ مقام خانہ کعبہ کے اندر شمار ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے! کہ ''انہوں نے کہا کہ میں چاہتی تھی کہ خانہ کعبہ کے اندر جا کر نماز پڑھوں تو رسول اللہؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر کی طرف لے گئے اور فرمایا یہاں نماز پڑھ لے، یہ بھی خانہ کعبہ کا حصہ تھا مگر تیری قوم نے جب خانہ کعبہ کو بنایا تو اسے کعبہ سے خارج کر دیا۔''

اسے حطیم بھی کہتے ہیں، یہاں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کی قبر ہے جیسا کہ اکثر علماء نے اس امر کا ذکر کیا ہے۔ یہاں حضرت اسماعیلؑ کی کنواری لڑکیاں بھی دفن ہیں جیسا کہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ ازرقی لکھتا ہے کہ زہری نے ابن زبیرؓ سے منبر پر کہتے سنا یہ جو اُبھرے ہوئے مقامات ہیں۔ یہ حضرت اسماعیلؑ کی بیٹیوں کی قبریں ہیں یعنی رکن شامی کی جانب۔

ازرقی لکھتا ہے کہ '' مکہ میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کا انتقال ہوا۔ ان کی قبریں زمزم اور حجر کے درمیان ہیں۔ بعض علماء نے کہا

ہے کہ ھود اور صالح توجہ ہی نہیں کر سکے کیونکہ ان کی قوم نے ادھر کا رخ نہ کرنے دیا، حدیث میں آیا ہے "جب کسی نبی کی اُمت ہلاک ہو جاتی تو وہ مکہ آجاتا اور یہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ معروف عبادت ہو جاتا حتیٰ کہ یہیں وفات پا جاتا۔"

ازرقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "مبارک بن حسان الانماطی نے بیان کیا ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو حجر میں دیکھا تو یہ کہتے سنا کہ حضرت اسماعیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے مکہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیرے لیے حجر میں قیامت تک کے لیے ٹھنڈی نسیم جاری کر دوں گا۔" حضرت اسماعیلؑ کا اسی جگہ انتقال ہوا۔

خالد نے بیان کیا ہے کہ میزابِ کعبہ سے لے کر حجر کے مغربی دروازے تک کے کسی مقام میں آپ کی قبر ہے۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت اسماعیلؑ یا اُن کے کنبہ کا کوئی فرد حجر میں دفن ہوا؟ میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ اور ان کی بیٹیوں کی قبریں حجر میں ہیں۔ آخر اس بات سے کیا امر مانع ہے کہ اللہ کا نبی ایک مقدس ترین مقام میں دفن کر دیا گیا ہو جبکہ یہ لوگ سب سے پہلے مکہ کو آباد کرنے والے تھے اور انہوں نے ہی بیت اللہ بنایا تھا خصوصاً جبکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بنائے کعبہ سے قبل مری تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے حجر کو گھر کے پاس بنایا تھا جس کی چھت پیلو کی تھی اور اس میں بکریاں بند ہوتی تھیں۔ حجر، حضرت اسماعیلؑ کی بکریوں کے لیے باڑہ تھا جیسا کہ ازرقی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

گو ہمیں مطاف کے پاس کسی کا دفن ہونا عجیب سا معلوم ہوتا ہے بلکہ مسجد حرام

میں بھی کسی کا دفن کیا جانا عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ آج کل یہاں رات، دن، طواف کرنے والے نماز پڑھنے والے اور حج کرنے والے آتے رہتے ہیں، ہماری شریعت بھی مسجد کو قبرستان بنانے کی مخالف ہے اور مسجد میں دفن کرنے کے بھی خلاف ہے۔

حضرت اسماعیلؑ سے پہلے مکہ میں کوئی آباد نہ تھا۔قبیلہ جرہم جب ہی وہاں آ کر آباد ہوا جب انہوں نے آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ دیکھا، تو حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ، ابن خلیلؑ اللہ بیت اللہ کے پاس کیوں نہ دفن کیے گئے ہوں گے مگر اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے۔

ایک نکتہ

علماء جو یہ کہتے ہیں کہ کیا حجر میں حضرت اسماعیلؑ کی قبر ہے؟ ان کا یہ سوال دراصل اُس حجر کے بارے میں ہے جسے اہلِ قریش نے خانہ کعبہ سے خارج کر دیا تھا، اس طرح حجر وسیع ہو گیا، حالانکہ اس سے پیشتر تنگ تھا اور اس کی ایک جانب خانہ کعبہ سے خارج ہو گئی حالانکہ خانہ کعبہ میں داخل تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے دراصل لوگوں نے حضرت اسماعیلؑ کو خانہ کعبہ کے اندر دفن کیا تھا۔ بنائے قریش کے وقت خانہ کعبہ کا کچھ حصہ خارج کر دیا گیا اور اسی میں آپ کی قبر تھی۔ اسی لیے علماء یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ حجر کے اندر آپ کی قبر ہے یا خانہ کعبہ میں ہے؟

سبز پتھر

وہ سبز پتھر جو حجر میں خانہ کعبہ کے پرنالے کے نیچے دھرا ہے، اس کے متعلق اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پتھر حضرت اسماعیلؑ کی قبر کی نشانی کے طور پر رکھا گیا ہے، مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ یہ پتھر اس مقصد کے لیے نہیں رکھا گیا تھا اس کا سبب ہم عنقریب بیان کریں گے اگرچہ ہم یہ مانتے ہیں کہ آپ کی قبر حجر میں ہے۔

یہ پتھر ایک پتھر نہیں ہے بلکہ دراصل دو پتھر ہیں جو ایک ہی جیسے ہیں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

ایک ٹکڑا بیضاوی شکل کا ہے جس کا سرا کعبہ کے متصل ہے اور دوسرا سرا کٹا ہوا ہے اس کا چھوٹا قطر پینتالیس سنٹی میٹر ہے اور بڑا قطر چونسٹھ سنٹی میٹر ہے۔ یہ پتھر دو حصوں میں منقسم ہے۔

دوسرا ٹکڑا نصف دائرہ کی صورت میں ہے۔ اس کا قطر اناسی سنٹی میٹر ہے، یہ پتھر چار حصوں میں منقسم ہے اور کچھ تھوڑا سا پست ہے۔ اس پتھر میں کچھ نشیب ہو جانا یا اس میں پھٹن پیدا ہو جانا کوئی باعث تعجب نہیں، ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ اس پر گیارہ سو سال سے زیادہ گذر چکے ہیں کہ لوگ اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

اس پتھر کی اصلیت یہ ہے کہ عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن محمد الہاشمی نے حکم دیا کہ اس کے لیے حجر کے مقام سے ایک تختی اکھاڑ کر، نماز پڑھنے کے لیے بھیج دی جائے، لہٰذا حج کے زمانے میں یہاں سے ایک تختی کاٹ کر بھیج دی گئی تو احمد بن ظریف، مولیٰ عباس بن محمد الہاشمی نے مصر سے حجر اسماعیلؑ کے لیے اس تختی کے عوض دو پتھر بھیجے۔ یہ واقعہ ۲۴۱ھ کا ہے۔ جو پتھر بیضاوی شکل کا تھا اُسے حجر کی دیوار پر، میزاب کے قریب، حجر کی دیوار کے بیچوں بیچ رکھ دیا گیا اور دوسرا پتھر میزاب کے نیچے دیوارِ خانہ کعبہ کے پاس رکھ دیا گیا۔ پھر ۲۸۳ھ میں بیضاوی پتھر دوسرے پتھر کے برابر رکھ دیا گیا جو میزاب کے نیچے دھرا تھا۔ (ازرقی)

الجامع اللطیف میں علامہ ابن ظہیرۃ القرشی لکھتے ہیں کہ محب طبری سے حجر کے سبز پتھر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا سبز پتھر حضرت اسماعیلؑ کی قبر کی نشانی ہے اگر اس کے سرے سے رُکن غربی کی طرف چھ بالشت ناپی جائیں تو چھٹی بالشت کے منتہیٰ پر حضرت اسماعیلؑ کا سر ہو گا۔

اس پتھر کے حجر میں رکھنے کا فنی سبب یہ ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ اچھے اچھے پتھر اور قیمتی جواہرات جمع کیا کرتا ہے جیسے الماس، لولو، مرجان، عقیق، یاقوت زمرد وغیرہ، خصوصاً امراء اور بادشاہ اس کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے کے بادشاہ اچھے اچھے پتھر مقاماتِ مقدسہ کے لیے ہدیتاً بھیج دیتے تھے لہٰذا احمد بن ظریف نے مصر سے یہ دو پتھر بھیج دیے تاکہ ان میں سے ایک خانہ کعبہ کے پرنالہ کے نیچے رکھ دیا جائے اور دوسرا حجر اسماعیل کی دیوار پر رکھ دیا جائے۔ پھر دوسرا پتھر، میزاب والے پتھر کے برابر رکھ دیا گیا اور وہ دونوں اب تک اسی طرح رکھے

ہیں کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں جڑے ہوئے ہیں۔

ان دونوں مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ ان پتھروں کے میزاب کے نیچے رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ مقام، حجر میں سب سے افضل ہے۔ ازرقی نے عطاء بن ابی رماج سے ذکر کیا ہے کہ ''جو کوئی میزابِ کعبہ کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرے گا اُس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اس کی دُعا قبول ہوگی وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔''

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ''فرمایا نماز پڑھو نیک بندوں کے مصلّی میں اور پیو نیک لوگوں کی شراب، ان سے پوچھا گیا، نیک لوگوں کا مصلّی کونسا ہے؟ فرمایا میزاب کے نیچے اور پوچھا گیا نیک بندوں کی شراب کیا ہے؟ فرمایا، آبِ زمزم مگر نبی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جو کوئی میزاب کے نیچے دُعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔''

پورا حجر اسماعیلؑ اصلی سنگ مرمر سے مفروش ہے اور عمدہ پتھروں سے منقوش ہے جیسا کہ مصر کی مساجد میں نقش و نگار ہوتے ہیں۔ مصریوں کی عادت ہے کہ وہ رنگدار پتھروں سے نقش و نگار کرتے ہیں تا کہ امتدادِ زمانہ سے ان کا رنگ خراب نہ ہونے پائے۔

سفید سنگ مرمر مختلف حجم و طول و عرض کا پایا جاتا ہے، مگر رنگ دار جیسے سیاہ، سرخ، نیلا اور زرد کم پایا جاتا ہے اور اگر پایا جاتا ہے تو عموماً تھوڑے حجم والا ہوتا ہے۔

وہ مرمر جو میزابِ خانہ کعبہ کے نیچے ہیں ان جیسے پتھر کہیں بھی نہیں پائے

جاتے۔ نہ کسی مسجد میں نہ کسی شہر میں، ان کا رنگ بالکل سبز بھی نہیں ہے بلکہ ان کی سبزی، مائل بہ سیاہی ہے اور ان پر سبز نقطے ہیں جو بھلے لگتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ان پتھروں میں قدرتی ہیں۔ مصنوعی نہیں۔

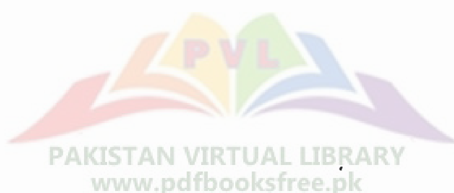
اِن دونوں پتھروں کے برابر دو پتھر اور ہیں، یہ دونوں پتھر دائرہ کی شکل میں ہیں، ان میں سے ہر ایک کا قطر پچیس سنٹی میٹر ہے اور ہر ایک دو میٹر کی برابر ان پتھروں سے دُور ہے، مغربی دائرے کی تین پھانکیں ہو گئی ہیں اور مشرقی دائرے کی دو پھانکیں ہو گئی ہیں۔

وہ زرد پتھر غار خانہ کعبہ کے پاس اور اس کے اوپر رکھے ہیں۔ وہ بڑے قیمتی اور نادر شکل وصورت کے ہیں۔ ان کا رنگ زرد ہے، ایک پتھر سرخی مائل ہے اور اس پر بڑے اچھے نقوش ہیں اور دوسرا بالکل زرد ہے۔ یہ بات دونوں میں فطری ہے صنعت کو اس میں دخل نہیں۔ یہ پتھر آٹھ ہیں جو قریب ایک جیسے حجم کے ہیں، ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ ہر پتھر مستطیل شکل کا ہے، زیادہ سے زیادہ لمبائی ۳۳ سنٹی میٹر ہے اور چوڑائی اکیس سنٹی میٹر ہے۔ یہ سب کے سب ایک مربع شکل میں خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہیں۔ جس کا طول وعرض ۴۷ سنٹی میٹر ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر اس زمانے میں یہاں رکھے گئے جبکہ ۶۳۱ھ میں مطاف کی تعمیر ہوئی تھی جیسا کہ ان پتھروں کے نیچے جو نیلا پتھر رکھا ہے۔ اس پر لکھا ہے یہ نیلا پتھر بھی بہت قیمتی اور بہت صاف شفاف ہے۔ اس کا طول ۶۹ سنٹی میٹر ہے اور عرض ۳۲ سنٹی میٹر ہے۔ ان زرد پتھروں اور اس نیلے

پتھر پر ۷۳۶ سال گذر چکے ہیں اور میزاب والے دو سبز پتھروں پر ۱۱۲۶ سال گذر چکے ہیں۔

یہ سبز، زرد اور نیلے پتھر بڑے نادرۂ روزگار ہیں۔ ورنہ سلاطین و امراء انہیں یہاں کیوں رکھاتے۔ حجر و مطاف میں اور بھی پتھر ہیں جن کی تحقیق کے ہم در پے نہیں ہوئے ورنہ شاید بہت سی عجیب باتیں نکلتیں۔ ماہرین احجار نے کہا ہے کہ یہ پتھر بڑے قیمتی ہیں۔ بعض تو ایک ہزار مصری گنی سے بھی زیادہ قیمت کے ہیں۔



خانہ کعبہ کے قیمتی تحفے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان ہدیوں کا مختصر ذکر کر دیں جو حضرت ابراہیمؑ کے دور سے لے کر آج تک خانہ کعبہ کو پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ سب سے آخری ہدیہ جو کعبہ کو پیش کیا گیا وہ ملکہ بندر آشی کا ہدیہ تھا جو سونے کے پانچ قندیل تھے۔ یہ واقعہ شریف سعید بن برکات کے دور خلافت یعنی ۱۰۹۴ھ کا ہے۔ تاریخ خانہ کعبہ معظمہ کے مصنف نے ایسا ہی لکھا ہے۔

مصنف کتاب المحمل والحج استاذ یوسف احمد مفتش آثار عربیہ مصر نے لکھا ہے کہ ابن زولاق کہتا ہے "المعز الدین اللہ اپنے قصر مصر میں رمضان ۳۶۲ھ میں پہنچا جب اس نے دربار جمایا اور لوگوں سے ہدیے قبول کرنے کے لیے بیٹھا تو اُس نے وہ چھتری لگوائی جو کعبہ کے لیے لگوائی تھی۔ یہ چھتری بارہ بالشت لمبی اور بارہ بالشت چوڑی تھی۔ اس کا کپڑا سرخ دیبا کا تھا اور اس کے چاروں طرف سونے کے بارہ چاند بنے تھے۔ ہر چاند میں ایک سونے کا ترنج تھا جس کے اندر پانچ بڑے موتی تھے، ہر ایک موتی کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ ان موتیوں میں سرخ، زرد اور نیلے یاقوت بھرے تھے اور چاروں طرف سبز زمرد سے آیات حج لکھی تھیں۔ اس تحریر کے

بیچ میں ایک اتنا بڑا موتی تھا کہ اس جیسا موتی آج تک نہیں دیکھا گیا۔ پوری چھتری کے اندر پسا ہوا مشک بھرا تھا۔ یہ چھتری محل کے اندر اور باہر دونوں جگہ سے دکھائی دیتی تھی۔"

اہلِ عراق وخراسان اور دیگر ممالک کے حاجیوں نے کہا ہے کہ ان پتھروں کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور ہم نے اس جیسی چھتری کہیں نہیں دیکھی۔ مقریزی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ کے لیے چھتری المتوکل نے بنوائی تھی۔ اُس نے ایک زنجیر سونے کی بھی بھیجی تھی جس میں وہ یاقوت لٹکایا جاتا تھا جو مامون نے بھیجا تھا۔ یہ چھتری بھی ہر سال خانہ کعبہ کے سامنے لٹکائی جاتی تھی۔ ہر موسمِ حج پر زنجیر لائی جاتی اس میں چھتری لگی ہوتی جو بڑی قیمتی تھی۔ ایک سپہ سالار یہ چھتری عراق سے لاتا اور خانہ کعبہ کے دربانوں کے حوالہ کر دیتا اور جس دن وہ چھتری لگائی جاتی تو وہ بھی موجود ہوتا۔ دربان چھٹی تاریخ میں اسے لگاتے اور ترویہ (۸ ذوالحجہ) کے دن اسے اتار لیتے۔

(دیکھو کتاب المحمل والحج)

یہ چھتری ایک قسم کا پردہ تھا جو سرخ دیبا کا تھا۔ اس کی شکل مربع تھی، ۱۴۴ بالشت اس کی پیمائش تھی۔ کتاب المحمل والحج کے مصنف نے شمسیہ (چھتری) کے تین معنی لکھے ہیں:

۱۔ اس روشندان کو کہتے ہیں جو دیوار کے بالائی حصہ میں ہوتا ہے۔

۲۔ اس چھتری کو بولتے ہیں جسے ہم دھوپ یا بارش سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ پردوں اور غلافوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان تینوں معنیٰ کے سلسلہ میں اس نے استشہاد پیش کیا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب میں لکھا ہے کہ جعفر المتوکل علی اللہ نے ایک سونے کی چھتری جواہرات جڑی، موتیوں ٹکی بھیجی جو ہر موسمِ حج پر سونے کی زنجیر میں لٹکائی جاتی تھی۔ مصنف نے اور بھی چند ایک قیمتی تحائف کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ تفصیل طلب حضرات مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کریں۔

ازرقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ تبت کا ایک راجہ اسلام لایا۔ اس کا ایک بت بصورتِ انسان سونے کا بنا ہوا تھا۔ وہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا۔ بت کے سر پر سونے کا تاج تھا جس میں سرخ و سبز یاقوت اور زمرد وغیرہ لگے تھے۔ یہ بت ایک چاندی کے تخت پر دھرا تھا جس پر حریر کا فرش بچھا تھا جب وہ مسلمان ہو گیا تو اس نے بطورِ تحفہ کعبہ کو بھیج دیا۔ یہ قصہ مامون کے دور کا ہے۔ اس زمانے میں مامون مرو (خراسان) میں تھا، اس نے یہ بت مکہ بھجوایا۔ یہ بت، نصیر بن ابراہیمؒ نے خانہ کعبہ کے دربانوں کے سپرد کیا۔ انہوں نے اُسے شیبہ بن عثمان کے گھر میں خزانہ خانہ کعبہ میں رکھا دیا۔ ۲۰۲ھ میں یزید بن محمد نے یہ بت دربانوں سے لے کر اس کے درہم و دینار ڈھلوا لیے تاکہ ابراہیمؒ بن موسیٰ سے لڑ سکے جس نے یمن سے آکر مکہ پر حملہ کیا تھا۔

ان سے علاوہ اور بھی بہت سے تحفے ہیں جو کعبہ کی چھت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کی تحقیقات نہیں کی۔ تاریخ کی کتابوں میں ان سب کا تفصیل بیان ملتا ہے۔

حجر میں مرمر کا فرش

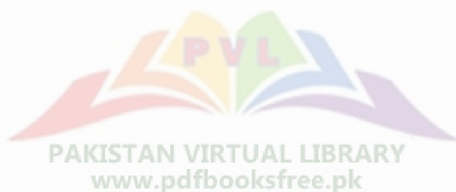
حجر میں فرش نہیں تھا۔ سب سے پہلے ابو جعفر المنصور نے ۱۴۰ھ میں فرش لگوایا۔ جب وہ حج کرنے کے لیے آیا تو طواف کرنے کے بعد زیاد بن عبیداللہ الحارثی گورنر مکہ کو بلایا اور اُس سے کہا، حجر کے پتھر ابھرے ہوئے ہیں صبح ہونے سے پہلے پہلے حجر میں سنگ مرمر کا فرش ہونا چاہیے۔ زیاد نے مزدور بلائے اور چراغ کی روشنی میں انہوں نے کام کیا۔ محمد المھدی نے ۱۶۱-۶۴ھ میں مسجد حرام میں اضافہ کرایا اور حجر کے پتھروں کی تجدید کا حکم دیا۔ مزدوروں نے سنگ مرمر سے اس فرش کی تکمیل کی یہ مرمر سپید، سبز اور سرخ رنگ کا تھا۔ مہدی نے اس سلسلہ میں بہت روپیہ صرف کیا۔ بہت سے امراؤ سلاطین نے مسجد حرام میں تعمیرات کیں جن کی تفصیل میں ہم پڑنا نہیں چاہتے۔ سلطان مراد رابع سب سے پہلا شخص ہے جس نے حجر اسماعیل کی تجدید کی۔ یہ واقعہ ۱۰۴۰ھ کا ہے۔ پھر سلطان عبدالحمید خاں نے ۱۲۶۰ھ میں تجدید و تعمیر کی۔ پھر سلطان عبدالعزیز خان عثمانی نے ۱۲۸۳ھ میں حجر کی مقامِ حنفی کی جانب سے تجدید کی۔

حجر کی دیوار کا غلاف

زمانہ قدیم سے آج تک کبھی حجر کی دیوار پر غلاف نہیں ڈالا گیا البتہ صرف ۸۵۲ھ میں دو غلاف جمق جو کسی کی جانب سے حجر کی دیوار کے لئے آئے، لوگوں نے ایک غلاف دیوار کی داخلی جانب اور ایک بیرونی جانب لٹکا دیا۔ یہ دونوں غلاف، غلافِ کعبہ کی طرح سیاہ حریر کے تھے۔ اس کے بعد پھر کبھی حجر پر غلاف نہیں

چڑھایا گیا۔ یہ غلاف سب سے پہلا اور سب سے آخری غلاف تھا۔

خانہ کعبہ کی طرز کا غلاف، حجر اسماعیلؑ پر چڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ حجر بھی خانہ کعبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسی لیے طواف اس کے باہر کی طرف سے کیا جاتا ہے تاکہ یہ دیوار طواف میں آجائے بہرحال کسی عالم نے غلاف چڑھانے کو معیوب نہیں سمجھا اگرچہ دستور اس کے خلاف رہا بلکہ فنونِ جمیلہ کے شغف رکھنے والوں نے اِن پردوں کو خصوصیت سے پسند کیا ہے۔



غارِ خانہ کعبہ

بہت سے علماء نے اس گڑھے کا حال لکھا ہے جو خانہ کعبہ کے دروازے کی داہنی جانب واقع ہے جس کی لمبائی ۲۰۶ سنٹی میٹر، عرض ۱۱۲ سنٹی میٹر اور گہرائی ۲۷ سنٹی میٹر ہے۔ ہم ذیل میں تمام اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے یہ تغار تھا جہاں اسماعیل نے تعمیر خانہ کعبہ کے لیے گارا بنایا تھا مگر ہمارے خیال میں دو وجہ سے یہ قول غلط ہے:

۱۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کو نہ گارے سے تعمیر کیا نہ گئے چونے سے، نہ چھت ڈالی تھی، نہ ان کے پاس اتنا پیسہ تھا۔ انہوں نے تو صرف پتھروں کا گٹھ جوڑ کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن عباس سے اسی قسم کی روایت ہے۔

۲۔ یہ چھوٹا سا غار اتنی بڑی تعمیر کے لیے تغار نہیں بن سکتا۔ اگر وہ تغار بناتے بھی تو خانہ کعبہ کے چاروں طرف بناتے تاکہ انہیں خواہ مخواہ مشقت نہ اٹھانی پڑتی۔

بہرحال یہ قول غلط ہے۔

ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ اس گڑھے میں کعبہ کا دھودن گرتا

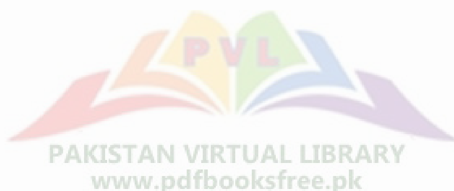
ہے مگر ان جبیر کا یہ قول غلط ہے، آپ دیکھتے ہی ہیں کہ ہمارے اس دور میں بھی کعبہ دھویا جاتا ہے اور اس گڑھے میں دھودن جمع نہیں کیا جاتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر نے کسی ناواقف سے اس کے بارے میں پوچھا ہوگا یا یہ کہ اس دن خانہ کعبہ دھویا جا رہا ہوگا اور پانی اس میں جمع ہو گیا ہوگا تو وہ یہ سمجھا کہ یہ گڑھا اسی کام کے لیے ہے۔ اگر یہ گڑھا اس مطلب کے لیے ہوتا تو کعبہ کی چوکھٹ کے پاس ہوتا۔

سب سے پہلے خانہ کعبہ کو رسول اللہؐ نے غسل دیا۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، مسلمان نماز کے لیے آئے وہ صرف تہ بند باندھے ہوئے تھے، سب چاہِ زم زم پر جمع ہو گئے۔ ڈول لیے اور رجزیں پڑھنے لگے۔ سب نے مل کر خانہ کعبہ کو اندر سے دھویا اور ہر مشرکانہ نشان کو مٹا کر صاف کر دیا۔ اسی دن سے خانہ کعبہ کے دھونے کا رواج پڑ گیا۔

خانہ کعبہ سال میں دو بار آبِ زمزم اور گلاب سے دھویا جاتا ہے پھر اس پر خوشبو لگائی جاتی ہے اور عود، عنبر اور لوبان وغیرہ کی دھونی دی جاتی ہے۔ عموماً خانہ کعبہ کو غسل گورنروں اور اعیانِ سلطنت کے سامنے ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ۱۳۶۷ھ میں مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

بعض علما نے کہا ہے کہ غار کا نصف حصہ دراصل مقامِ ابراہیمؑ کا مقام ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے سے پہلے وہ یہاں دھرا رہتا تھا۔ سیلاب امِ نہشل میں آپ نے مقام کو اس جگہ دھرا جہاں وہ اب رکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ غار حضرت جبریلؑ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے ازرقی اور دیگر علماء نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''حضرت جبریلؑ نے بابِ خانہ کعبہ کے قریب دو بار میری امامت کی۔'' یہ قول حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے او اوپر والے قول کے مطابق ہے کیونکہ مقامِ ابراہیمؑ غار کی جگہ تھا، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت جبریلؑ دونوں کا یہی مصلّٰی تھا۔ حضرت جبریلؑ کے یہاں نماز پڑھنے میں اس جانب اشارہ تھا کہ آپ کو اور آپ کی امت کو یہاں نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔



کیا حجر اسود بدلا گیا؟

تاریخ میں مشہور ہے کہ ابو طاہر القرمطی، ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں مکہ پہنچا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں بڑے بُرے کام کیے۔ ابو طاہر نے جعفر بن ابی علاج معمار کو حکم دیا کہ حجر اسود کو اکھاڑ لائے۔ لہٰذا اس نے ۱۰ ذی الحجہ ۳۱۷ھ میں حجر اسود کو اکھاڑ دیا۔ ابو طاہر اس پتھر کو اپنے شہر ہجر میں لے گیا۔ حجر اُسود کی جگہ خالی رہ گئی اور لوگ تبرک کے طور پر اس خالی جگہ پر ہاتھ رکھ دیا کرتے۔ پھر سبز بن الحسن القرمطی ۳۳۹ھ میں مکہ شریف حجر اسود کو لے آیا اور خود اپنے ہاتھوں سے اُسے اس مقام پر رکھ دیا اور کہا ہم اسے اللہ کی تقدیر کی وجہ سے لے گئے اور اسی کی مشیت کی وجہ سے لوٹا لائے۔ یہ واقعہ ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کا ہے۔

بعض بے عقل یہ خیال کرتے ہیں کہ قرامطہ نے حجر اسود کو بدل دیا۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تاریخی او دوسرے مذہبی۔

تاریخی دلیل یہ ہے کہ تقی فاسی نے شفاء الغرم میں اس قصہ کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "جب اس نے کعبہ میں حجر اسود کو لگا دیا تو لوگوں نے اسے پہچانا، بوسہ دیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ مسبحی کے کلام کا خلاصہ ہے۔"

مصنف کا یہ قول کہ لوگوں نے اسے پہچانا اور چوما اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ حجر اسود قرامطہ کے پاس چار دن کم بائیس سال رہا۔ اس مدت میں کوئی سارے اہلِ مکہ تو مر نہیں گئے ہوں گے کہ کوئی بھی اس کا پہچاننے والا باقی نہ ہوتا، علاوہ بریں حجر اُسود کے خاص امتیازی نشانات ہیں جن سے سب لوگ ناواقف ہیں۔

الاشاعۃ فی اشراط الساعہ میں لکھا ہے کہ "محمد بن نافع الخزاعی نے کہا ہے کہ میں نے حجر اسود کو اس حالت میں دیکھا جبکہ وہ اکھاڑا گیا تھا تو دیکھا کہ صرف اس کا اوپر کا سرا سیاہ ہے، باقی تمام حصہ سپید ہے۔ اس کی لمبائی ہاتھ بھر تھی۔" محمد بن نافع نے اسے قرمطی کے اکھاڑنے کے بعد دیکھا تھا۔ اسی کتاب کے صفحہ چھبیس پر جو اور لوگوں کے بیانات ہیں وہ اس کے بیان کے بالکل مطابق ہیں جنہوں نے اسے لگائے جانے کے بعد دیکھا۔

مذہبی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا "اے لوگو حجر اُسود کو کثرت سے بوسہ دیا کرو کیونکہ عنقریب تم اُسے گم کر دو گے۔ ایک رات لوگ طواف کرتے ہوں گے اور اُسے دیکھتے ہوں گے مگر جب صبح ہوگی تو وہ غائب ہو چکا ہوگا کیونکہ قیامت سے قبل اللہ تعالیٰ جنت کی ہر چیز کو زمین سے اُٹھا لے گا۔" مجاہد سے روایت ہے آپ نے فرمایا "اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب قرآن اٹھا لیا جائے گا اور تمہارے سینوں اور دِلوں سے مٹا دیا جائے گا اور رکن کو بھی اٹھا لیا جائے گا۔" عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ قرآن کو لوگوں کے سینوں سے اٹھا لیں گے اور حجر اُسود کو بھی قیامت سے قبل اٹھا

لیں گے۔" یوسف بن ماھک سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "رکن اہلِ قبلہ کی عید ہے جیسے مائدہ بنو اسرائیل کی عید تھا، جب تک یہ تم میں رہے گا تم بھلائی پر گامزن رہو گے۔ اس پتھر کو جبریل نے خود رکھا تھا اور وہی اسے اٹھا لیں گے۔"

رسول اللہؐ کی ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حجر اسود قیامت تک اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور قیامت کے قریب اُسے ملائکہ اٹھا کر لے جائیں گے۔ وہ چوری یا سینہ زوری کے ذریعہ غائب نہیں ہو گا۔"

یہ وہ باب ہے جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے لہٰذا بے دین زندیقوں کی باتیں قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتیں۔

استاذ یوسف احمد منقش آثارِ عربیہ نے اپنی کتاب المحمل والحج میں صفحہ ۱۰۳ پر لکھا ہے "پتا نہیں آیا یہ پتھر اہلِ عرب تک ٹوٹے ہوئے تاروں کے ذریعہ پہنچایا۔ یا کسی اور طریق سے حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ میں اُسے پروردگار کی تعمیل حکم کی یادگار میں یہاں رکھ دیا تھا۔ اس پتھر کا رنگ سیاہ ہے۔

یہاں تک استاذ یوسف کے کلام کا خلاصہ ہے، وہ میرے استاذ ہیں اور میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں مگر مجھے ان کے اس بیان پر افسوس ہے کہ انہوں نے اِس سلسلہ میں احادیث اور مؤرخین کے اقوال پر اعتبار نہیں کیا اور حجر اَسود کو اس نظر سے دیکھا جس طرح وہ آثارِ قدیمہ کے کسی اثر کو دیکھتے ہیں۔ ہزاروں قدیم پتھر ان کی نگاہوں سے گذرے ہوں گے مگر چونکہ انہوں نے اس پتھر کو ارضی پتھروں کے مشابہ نہ پایا تو اسے شہابِ ثاقب کا ٹکڑا قرار دے دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی

دیواروں کو حجر اُسود کے مقام تک بلند کر دیا تو حضرت جبریلؑ امین نے اپنے ہاتھوں سے یہ پتھر اس جگہ پر نصب کیا۔ یہ پتھر بالکل سپید اور بیحد روشن تھا کہ تمام حرم میں روشنی ہو جاتی تھی مگر اہلِ زمین کے گناہوں کی وجہ سے اس کا نور زائل ہوتا چلا گیا۔" بیت اللہ میں کئی بار آگ لگنے سے بھی وہ سیاہ پڑ گیا جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اُسود کوئی شہابِ ثاقب کا ٹکڑا نہیں ہے وہ تو جنت کا ایک یاقوت ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اسی طرح خدا کے حکم سے حجر اسود کو اس مقام پر رکھا گیا۔ استاذ یوسف احمد نے جو کچھ بیان کیا وہ بے حقیقت ہے۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ "حجر اسود، یمین اللہ ہے، جس نے رسول اللہؐ کا زمانہ نہیں پایا اور حجر اُسو کو چھو لیا اس نے گویا اللہ اور رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "رکن یمین اللہ ہے جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہو اسی طرح گویا اللہ سے مصافحہ کرتے ہو۔"

حجر اُسود کی فضیلت اور اس کے چومنے کے بارے میں اس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ اگر ہم سب کا بیان کریں تو بات طویل ہو جائے۔ لہٰذا اس طول بیانی کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے احسانات

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اُمت محمدؐیہ پر بڑے احسانات ہیں۔ یوں بھی ان دو بزرگوں میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل ہوئے جو سب کے سب کہاوتوں پر مشتمل تھے اور تورات کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر بھی دس صحیفے نازل ہوئے جو سب کے سب عبرتوں پر مشتمل تھے۔ حضرت ابراہیمؑ بچپن میں نمرود کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچے اور حضرت موسیٰؑ فرعون کے ہاتھوں سے بچے۔

اب ہم اصل مقصود کی طرف آتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا تمام اہلِ عرب اور امت محمدیہ پر عموماً اور اہلِ مکہ پر خصوصاً بڑا بھاری احسان ہے۔

آپ کا عمومی احسان یہ ہے کہ آپ نے ہمارے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور رسولؐ وقرآن کے نزول کے بارے میں التجا کی اور تمام مومنین کی بخشش کی دعا کی۔

اہلِ مکہ پر آپ کا یہ احسان ہے کہ سب سے پہلے آپ نے مکہ کو آباد کیا اور اپنے بیٹے اور حضرت ہاجرہؓ کو یہاں لاکر رکھا جن کی وجہ سے آب زمزم کا ظہور ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں خانہ کعبہ تعمیر ہوا اور حضرت ابراہیمؑ

نے یہاں اپنا مقام چھوڑا، مکہ کو صاحب حرمت و امن بنایا اور لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ جس کی بناء پر اس سرزمین کی آبادی، برکتیں اور رزق میں خوب افراط ہوگئی۔

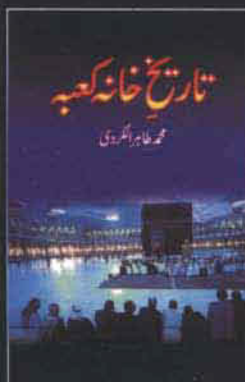
ان تمام باتوں کا کلام پاک میں وضاحت سے بیان آیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی تمام دعاؤں کو قبول فرمایا۔

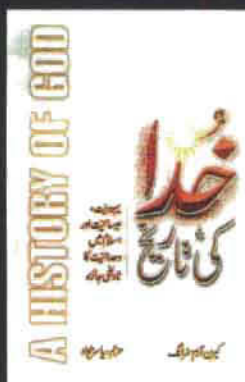
موسیٰ کلیم اللہ کا یہ احسان ہے کہ جب رسول اللہؐ شب معراج میں چھٹے آسمان پر آپ سے ملے، تو آپ نے نمازوں میں تخفیف کرائی اور فرمایا کہ آپ کی اُمت اِسے برداشت نہ کر سکے گی۔ لہٰذا رسول اللہؐ بار بار اللہ سے تخفیف کا مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ پچاس نمازوں کی صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔

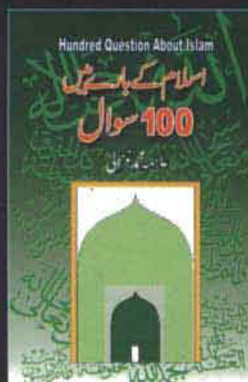
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام امت محمدیہ کے مرد و زن پر یہ بڑا بھاری احسان کیا ہے۔ آپ کو بنی اسرائیل کا بڑا تجربہ تھا۔ چنانچہ آج کل آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ پانچ وقت کی نماز بھی ادا نہیں کرتے۔ عرب سے باہر کے بیشتر مُسلمان تو بالکل ہی نماز کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

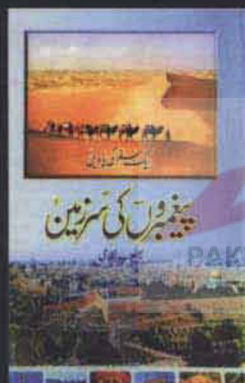
ربّنا لا تؤاخذنا ان نسينا اَو اَخطأنا ٥ ربنا ولا تحمل علينا اصراً كما حملته على الّذين من قبلنا ٥ ربّنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنّا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا على القوم الكفرين.

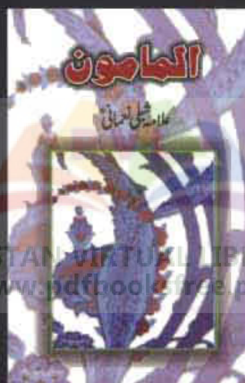
Nigarshat Best Sellers

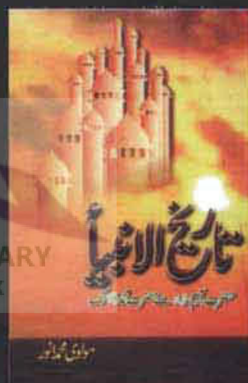


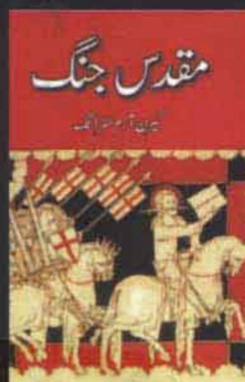


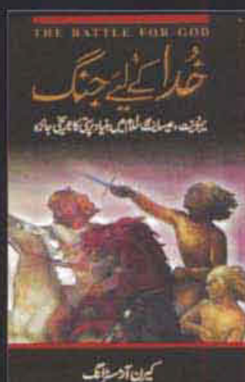


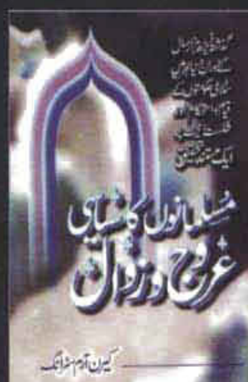














24 مزنگ روڈ، لاہور۔ پاکستان
Ph: 0092-42-7322892 Fax: 7354205
E-mail: nigarshat@yahoo.com

